عبدالرحمن ناصر اصلاحی بی اے (جامعہ)
(مسجد ... پور - سرائے میر - اعظم گڑھ)

الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

Scanned by CamScanner

جلد ۱ | ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۶ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی	۱ - ۴

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فیل	مصنفہ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ	۵ - ۱۷

معارف قرآن

خیالات استاذ در ترجمۂ قرآن	علامہ فراہیؒ	۱۸ - ۲۵
قرآن اور ترتیب اسمار انبیار کرام	مولوی ابو اللیث بشیر محمد صاحب اصلاحی ندوی	۲۶ - ۴۳

مذاکرہ

علامہ فراہیؒ کا ایک تعلیمی خط	....	۴۴ - ۴۸

موعظۂ حسنۃ

نماز	امین احسن اصلاحی	۴۹ - ۵۷

ادبیات

کلید حافظ	علامہ فراہیؒ	۵۸

تلخیصات

ڈاکٹر کارل کی بہشت	ا - ن	۵۹ - ۶۲
عالم خواب	״	۶۲ - ۶۴

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

تحدیث نعمت

الاصلاح کا پہلا نمبر، بہت ڈرتے ڈرتے شایع کیا گیا تھا۔ اس کے لئے بحث و نظر کا جو معیار ذہن میں تھا، توقع نہ تھی کہ وقت کا مذاق و رجحان اس کو قبول کرے گا۔ اس کے ابواب و مطالب کا پیش نظر خاکہ، جب کبھی احباب کے سامنے پیش کیا گیا، انھوں نے اس سے اختلاف کیا کہ بازار میں ایسے رسالہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن الحمدللہ، طبیعت ان اندیشوں سے مرعوب نہیں ہوئی۔ البتہ یہ ضرور خواہش ہوئی کہ اگر راہ دشوار اور منزل دراز ہے تو زادِ راہ سے غفلت نہ کی جائے۔ سو اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اتنا سامان کر دیا کہ اگر اس کی توفیق رفیق اور تائید شامل حال ہے تو تجربہ و امتحان کی جو مدت ہم نے سامنے رکھی ہے، اس میں حالات کا مقابلہ زیادہ دشوار نہ ہوگا۔

با ایں ہمہ، رسالہ کے متعلق، اس وقت تک، جو رائیں معلوم ہو سکی ہیں، نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ اس کی ظاہری شکل و صورت اور معنوی بلندی دونوں نے اہل علم کی نگاہوں میں جگہ حاصل کی اور اپنے حق سے محروم نہ رہیں۔ رسالہ کے قدردانوں میں، عام اہل علم کے ساتھ، ایسے اساطین علم و فن اور اکابر تصنیف و تالیف بھی ہیں جن کی رایوں پہ بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فساد مذاق کی عام وبا کے باوجود، سچائی اور حقیقت کا قدرتی استحقاق ابتک سلب نہیں ہوا ہے۔ دلوں میں اس کی جگہ خالی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ وبائے عام میں مرنے کی جگہ، ہمت و عزیمت کے ساتھ، حالات کی اصلاح کی سعی کی جائے۔ انسانی فطرت کا خمیر نیکی ہے۔ برائی نہیں ہے۔ باطل کا وجود اسلئے ہے کہ حق ناپید ہے۔ اگر حق پورے جلال و جمال کے ساتھ نمودار ہو جائے تو یقیناً دلوں میں اصلی جگہ اسی کے لئے ہوگی، کیونکہ قلب انسانی حق و سچائی ہی کے بسنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ بلاشبہ حق کی خدمت کرنا آسان کام نہیں ہے لیکن اس میں لگ جانے کو ہم کیوں ناممکن سمجھنے لگیں؟

Scanned by CamScanner

ایک شکایت اور اس کا جواب

بعض ہمدردوں اور خریداروں نے رسالہ کے مطالب کے اشکال کی شکایت کی ہے۔ اس شکایت کا تذکرہ، پہلے نمبر میں، ہم خود ہی کر چکے ہیں اور اس میں اس کا جواب بھی ہو گیا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ رسالہ کے بعض ابواب صرف اہل علم کے لئے مخصوص ہیں، اسلئے قدرتی طور پر، عام لوگ ان سے بآسانی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو عام استعداد کو پیش نظر رکھکر مرتب کیا جاتا ہے، اس میں اگر کوئی اشکال ہے تو وہ اسلوب نگارش و تحریر یا علمی اصطلاحات کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ وہ خود مطالب و مقاصد کی بلندی ہے جو ہماری عام ذہنی پستی اور عقلی نارسائی کی وجہ سے بلند تر ہو گئی ہے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ہم اپنے فکر و تامل کی استعداد کی تربیت کی طرف متوجہ ہوں اور دماغ کو سنجیدہ مباحث کے لائق بنائیں۔ ہم علماء اور عوام کے فرق کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں تسلیم کرتے کہ اسلام کی عام تعلیم، جتنی ہر مسلمان کو سمجھنی چاہئے، اسکے لئے ہماری عام استعداد کافی ہے۔ ہماری عام استعداد اس سے بدرجہا بلند ہونی چاہئے۔ اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ سنجیدہ مطالب کے مطالعہ کی عادت ڈالی جائے۔ یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ اسلام کے متعلق عام مسلمانوں کی واقفیت بعض فضول قصوں اور چند فروعی مسائل سے زیادہ نہیں ہے حالانکہ ہماری اصلی قوت اسلام کے سمجھنے ہی میں مضمر ہے۔ تاہم الاصلاح کو آسان کرنے کے خیال سے ہم غافل نہیں ہیں۔ پچھلے نمبر میں، اس کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ پیش نظر ہے اور جلد سے جلد اس کو عمل میں لانے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔ بعض ضروری اور مفید ابواب فوراً بڑھا دینے کا ارادہ تھا، لیکن صفحات کی کمی کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اب ناگزیر ہے کہ صفحات بڑھائے جائیں، لیکن دیکھئے، اس کے لئے حالات کب سازگار ہوتے ہیں۔ یہ صفحات صرف عام تعلیم و اصلاح کے لئے مخصوص ہوں گے۔

دائرہ حمیدیہ کا پہلا کام

استاذ امامؒ کی تصنیفات میں سے، سب سے پہلے جمہرۃ البلاغہ کے چھاپنے کا ارادہ تھا، اسکے مسودہ کی ترتیب و تبییض کا کام ایک حد تک ختم ہو چکا ہے۔ اہل علم کا شوق و تقاضا بھی اس کے لئے بہت ہے، لیکن وقت کا تقاضا کچھ اور ہے اسلئے اس ارادہ میں تبدیلی کرنی پڑی۔ مغربی علوم و افکار کے شیوع نے، اس وقت مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں سخت ذہنی انارکی پھیلا دی ہے۔

Scanned by CamScanner

ایک بہت بڑی جماعت نے، ہماری عام صف سے کٹ کر، اپنا ایک علیحدہ محاذ قایم کر لیا ہے اور مذہب پر طرح طرح کے اعتراضات کی بوچھار شروع کر دی ہے۔ اس جماعت کو بدگمانی ہے کہ عام طور پر، جو مذہب مانا جاتا ہے وہ عقل کے خلاف ہے اور جو مذہب عقل کے خلاف ہے وہ قابل قبول نہیں۔ اس لئے وہ مذہب کو ایک نئے قالب میں پیش کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہی اصلی اور حقیقی مذہب ہے۔

اس بدگمانی کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ مغربی علوم و افکار سے مرعوبیت اور عقل و علم کے غرورِ باطل اور ادعائے بیجا کو بھی اس میں کچھ دخل ہو، لیکن ہمارے نزدیک اس کی اصلی اور بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اسلام اپنی مجموعی شکل و صورت میں نہیں ہے۔ اس کی چند جزئیات، نظام اور شیرازہ سے بالکل علیحدہ کر کے وہ دیکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک سرو رعنا اور شاخ بریدہ میں بڑا فرق ہے۔ اگر کوئی شخص انسانی جسم کے کسی کٹے ہوئے عضو کو دیکھے، اس میں اس کو کیا حسن نظر آئے گا؟ لیکن ظاہر ہے کہ وہی عضو اپنے مجموعہ میں، حسن و خوبروئی کا ایک نگینہ ہے۔ کسی شے پر فلسفیانہ غور و تعمق کے لئے ضروری ہے کہ جزء کو کل کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے، لیکن افسوس ہے کہ اسلام پر اس حیثیت سے بہت کم غور کیا گیا۔ اس آخری دور میں، علمائے اسلام میں، یہ دولت سعادت، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے صرف استاذ امام علامہ فراہیؒ کو بخشی اور یوں تو ان کی تمام تصنیفات میں یہ روح حقیقت جلوہ گر ہے، لیکن خاصۃً ان کی دو عظیم الشان تصنیفوں، ملکوت اللہ اور کتاب الحکمۃ کا مقصد ہی سنن الٰہیہ اور نظام اسلام کو آشکارا کرنا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ دونوں کتابیں شایع ہو جائیں تو عقل و دین کا ٹوٹا ہوا رشتہ جڑ جائے اور جو لوگ اسلام سے اس لئے بدگمان ہیں کہ وہ عقل کے خلاف ہے وہ اس سے اس لئے محبت کرنے لگیں گے کہ عقلِ انسانی کی معراج وہی ہے۔ اور پھر اس کی ان تمام جزئیات کے محاسن بے نقاب ہو جائیں گے جو ان کو بالکل خلاف عقل اور بے حکمت نظر آتی ہیں۔ اس لئے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں سے کم از کم ملکوت اللہ جلد سے جلد شایع کر دی جائے۔ برادر مکرم مولوی اختر احسن صاحب اصلاحی اس کی ترتیب و تبییض میں مشغول ہو گئے ہیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد اس کی کتابت شروع کرا دی جائیگی۔ اس کتاب کے متعلق برادر موصوف کا ایک مضمون بھی کسی اشاعت میں قارئین کے سامنے آئیگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ تفسیر سورۃ اللہب و تفسیر سورۃ الکوثر کے اردو ترجموں کی اشاعت کا بھی سامان ہو رہا ہے۔

Scanned by CamScanner

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فیل

(۲)

مصنفہ
استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمہ
(امین احسن اصلاحی)

سورہ کا عمود اور ماقبل و مابعد سے تعلق

۳۔ سابق سورہ میں، ایک عیب جو اور اشارہ باز کا ذکر ہے جو مآل سے غافل اور مال و جاہ کی لذتوں میں سرمست ہے۔ اس کو خبر دی گئی ہے کہ وہ تباہ ہوگا اور اپنے تمام سامان عیش کے ساتھ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ اور چور چور کر دینے والی جہنم میں پڑیگا۔ اس سورہ میں بطور ایک تاریخی شہادت کے ان لوگوں کی تباہی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو قوت کے گھمنڈ اور دولت کے نشہ میں، اللہ کے مقدس گھر پر چڑھ دوڑے اور اس کے قہر و غضب کی پروا نہ کی حالانکہ اس عظیم الشان گھر کی عظمت سے اپنے مذہبی صحیفوں کے ذریعہ اچھی طرح واقف تھے۔ یہود کی دشمنی میں انھوں نے اسی طرح کی جسارت مسجد یروشلم کے ساتھ بھی کی تھی اور یہود نے بھی جوش عناد سے اندھے ہو کر اسی طرح کی گستاخیاں کی تھیں۔ یہاں ان تفصیلات میں پڑنے کا موقع نہیں ہے۔

خدا نے اسی مغرور دولت مند کو یہ تاریخی واقعہ یاد دلایا ہے جس کا ایک قریشی ہونے کی وجہ سے وہ ایک عینی شاہد بھی ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اشارہ ابولہب کی طرف ہوگا کیونکہ اس کی اور اس کے پیرؤوں کی بدعات ہی نے بیت اللہ کی حرمت برباد کی۔ اس کے کفر و فسق اور طماعیوں کی تفصیلات تفسیر سورۃ اللہب میں گذر چکی ہیں۔ اس کو مخاطب کر کے گویا خداوند تعالیٰ نے یاد دلایا ہے کہ دیکھ! تیرے جیسے شریروں اور مغروروں کے سر خدا نے کس طرح کچلے! ان کی ساری قوت پارہ پارہ کر ڈالی۔ یہ مقدس گھر جو قریش

Scanned by CamScanner

کی عظمت اور اس کے امن و رزق کا ضامن ہے، ان کی نجاستوں سے پاک کیا گیا۔ پھر خیال کرو تم نے اپنی قوت سے ان کو مغلوب نہیں کیا بلکہ اس خدا کی تلوار بے نیام ہوئی جو اس گھر کا محافظ ہے۔ خدا نے ان کے دلوں میں اپنا رعب ڈالا اور ان کو ایسی کنکریوں سے سنگسار کیا جن کے زخموں نے ان کے جسموں کو گھلا ڈالا۔ تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے ان کی لاشوں کے انبار دیکھے، پھر خدا نے جھنڈ کی جھنڈ چڑیاں بھیجیں جنھوں نے عظیم الجثہ ہاتھیوں اور سربلند بادشاہوں کی لاشوں کا گوشت نوچا اور تمھاری مقدس وادی کو تعفن سے پاک کیا اور تم کو ایک بڑی زحمت سے بچا کر اپنے جلال قدرت کی ایک دوسری نشانی کا مشاہدہ کرایا۔ نعمت و نقمت کی ان حیرت انگیز مثالوں کے بعد خدا کی نافرمانی اور اس کے شعائر کی توہین کی جرأت کیسے کرتے ہو؟

یہ جو ہم نے کہا ہے کہ چڑیوں نے ان کی لاشوں کو کھایا تفصیل طلب ہے دیکھو فصل (۹-۱۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سورہ میں وجوب شکر کی تمہید ہے یعنی اللہ کے مقدس گھر کی برکت سے اہل عرب کو عموماً اور اہل مکہ کو خصوصاً عزت و عظمت اور امن و رزق کی جو نعمتیں حاصل ہیں، ان کو یاد دلا کر ان کو شکر گذاری کا فرض یاد دلایا گیا ہے۔ گویا یہ پوری سورہ صرف نعمتوں اور برکتوں کے بیان میں ہے۔ اس کے بعد کیا ہونا چاہئے؟ اس سوال کا جواب یہ سورہ نہیں دیتی۔ بعد والی سورہ مستقلاً اسی سوال کے جواب میں ہے جس میں فرمایا گیا ہے "فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ" پس چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ اس نعمت کے بیان کے لئے ایک سورہ مخصوص کی گئی تاکہ جس نعمت سے ان کو تمام عالم حتی کہ بنی اسرائیل پر بھی فوقیت بخشی، اس کی قدر و قیمت کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔ بنی اسرائیل کو تمام شرف و امتیاز کے باوجود قتل و قید کی تمام تباہیوں سے دوچار ہونا پڑا حتی کہ یروشلم اور مقدس ہیکل دونوں ان سے چھن گئے اور بری طرح برباد ہوئے لیکن خدا کا یہ مقدس گھر ہمیشہ محفوظ و مصئون رہا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ لیکن یہ فضیلت ہمیشہ خدا کے علم و حکمت کے مطابق حاصل ہوتی ہے اس لئے اس پر مغرور ہونے کے بجائے خدا کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ اب ہم چند سطروں میں اس فضیلت کے اسباب و وجوہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں تاکہ اس کی حکمت واضح ہو سکے۔

خانہ کعبہ اور بنی اسمٰعیل کے فضائل و خصوصیات

۴۔ قدیم صحیفوں اور قرآن مجید میں پچھلی قوموں کے جو قصے بیان ہوئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کی

Scanned by CamScanner

بے شمار نشانیاں پنہاں ہیں۔ ان پر غور کرنے سے مکہ اور اہل مکہ، یروشلم اور اہل یروشلم کی خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے چند ہم یہاں بیان کرتے ہیں اور اس بحث میں بیشتر استشہاد تورات سے ہوگا تاکہ ہمارے نتائج بحث اہل کتاب پر حجت ہو سکیں۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خانہ کعبہ دین الٰہی کی اصل و اساس ہے۔ یہ پہلا گھر ہے جو توحید اور غربا پروری کا مرکز ہوا۔ خانہ کعبہ کی اس خصوصیت کا بیان تورات میں بھی ہے لیکن یہود نے اس پر تحریف کے پردے ڈال دئیے ہیں۔ لیکن صاحب نظر آج بھی اس کی جھلک تورات میں دیکھ سکتا ہے۔ مفصل بحث آیت ذیل کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا	بے شک عبادت کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے تعمیر ہوا وہی ہے جو مکہ میں ہے
وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ	سراپا خیر و برکت اور دنیا والوں کے لئے ہدایت، اس میں کھلی ہوئی
وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ	نشانیاں ہیں، ابراہیم کی سکونت، جو شخص اس میں داخل ہوا وہ امن میں ہے
اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران - ۹۶، ۹۷)	اور لوگوں میں سے جو صاحب استطاعت ہوں، ان پر خدا کیلئے اس گھر کا حج کرنا ہے

اس آیت میں اس گھر کے اولین عبادت گاہ اور بنائے ابراہیمی ہونے کی تین دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔ پوری تشریح آیت کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خدا کا پہلا گھر خدا کی حفاظت کا زیادہ حقدار تھا کیونکہ وہی دین کی اصلی بنیاد تھا۔ یروشلم کی مسجد جیسا کہ تورات سے معلوم ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر ہے، اس سے پہلے یہود کے پاس کوئی عبادت گاہ نہ تھی۔ سلاطین باب ۸: ۱۶ میں ہے۔

"جس دن سے میں اپنی گروہ اسرائیل کو مصر سے نکال لایا تب سے میں نے سارے اسرائیلی فرقوں میں سے کسی شہر کو جس میں میرا گھر بنایا جائے اور اس میں میرا نام ہو چن نہ لیا۔"

۲۔ خانہ کعبہ کی فضیلت کا دوسرا پہلو اس کے بانی کی عظمت ہے۔ اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ برعکس اس کے بیت المقدس کو جیسا کہ تورات میں تشریح اور قرآن میں اشارہ ہے پابند اور محکوم مزدوروں نے بنایا پھر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کے وقت دعا فرمائی۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا	اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اس دعا کے ساتھ اونچی کر رہے تھے

تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (البقرہ - ۱۲۷)

کر لے ہمارے پروردگار ہماری دعا قبول فرما بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے امن و برکت کی دعا فرمائی اور چاہا کہ یہ امن و برکت صرف مومنین کے لئے مخصوص ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مقدس گھر کی برکتوں کو دنیا کی زندگی میں مومن و کافر دونوں کے لئے عام کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (البقرہ - ۱۲۶)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی اے پروردگار اس کو پرامن سرزمین بنا اس کے ساکنوں کو پھلوں کی روزی دے جو ان میں سے اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائیں۔ خداوند نے فرمایا اور جو کفر کریں گے اُن کو بھی کچھ دن (دنیا کی زندگی میں) نفع پہنچاؤں گا، پھر ان کو آگ کے عذاب کی طرف ڈھکیلوں گا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

خانۂ کعبہ کی حرمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات پسند نہ فرمائی کہ ابراہیمؑ کی اولاد اپنی ناشکری کی سزا اس پرامن سرزمین میں پائے۔ اس کے برعکس مسجد یروشلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ سلاطین (ب ۹ : ۱ - ۹) میں یوں مذکور ہے۔

اور ایسا ہوا کہ جب سلیمان خداوند کا گھر اور بادشاہ کا قصر بنا چکا اور سلیمان کی ساری تمنا جو اس کے دل میں تھی پوری ہو چکی تو خداوند سلیمان کو دوسری بار دکھائی دیا جس طرح کہ جبعون میں دکھائی دیا تھا اور خداوند نے اس سے کہا میں نے تیری دعا اور تیری مناجات جو تو نے میرے آگے کی سنی ہے اور اس گھر کو جو تو نے بنایا کہ میرا نام ابد تک اس میں رہے مقدس کیا، سو میری نگاہ اور میرا دل سدا اسی پر رہے گا اور اگر تو میرے حضور ایسی چال چلے گا جیسے تیرا باپ داؤد دل کی راستی اور صداقت سے چلا اور ان سب حکموں پر جو میں نے تجھ سے کئے عمل کرے گا اور میری شریعتوں اور میری عدالتوں کو حفظ کرے گا تو میں تیری سلطنت کا تخت اسرائیل میں ہمیشہ قائم رکھوں گا جیسے میں نے تیرے باپ داؤد سے وعدہ کیا اور کہا کہ تیرے یہاں مرد کی کمی نہ ہوگی، جو اسرائیل کے تخت پر بیٹھے، پر اگر تم یا تمھاری اولاد میری پیروی سے کسی طرح برگشتہ ہو گے اور تم میری شریعتوں اور میری عدالتوں کو جو میں نے تمھیں بتائیں، حفظ نہ کرو گے اور اجنبی معبودوں کو عبادت کرنے جاؤ گے اور انھیں سجدہ کرو گے تو میں اسرائیل کو اس سرزمین سے جو میں نے انھیں دی ہے فنا کروں گا اور اس گھر کو جسے میں نے اپنے نام کے لئے مقدس کیا ہے اپنی نظر سے گرا دوں گا اور اسرائیل تمام جہان میں ضرب المثل اور انگشت نما ہوگا اور اس بلند گھر

Scanned by CamScanner

کے برابر سے جو کوئی گذرے گا حیران ہوگا اور سیٹی بجائے گا اور وہ کہیں گے خداوند نے اس سرزمین اور اس گھر سے ایسا
کیوں کیا تب وہ جواب دیں گے یہ اس لئے ہوا کہ انھوں نے خداوند اپنے خدا کو جو ان کے باپ دادوں کو زمین مصر سے
نکال لایا ترک کیا اور اجنبی معبودوں کو اختیار کیا اور انھیں سجدہ کیا اور ان کی بندگی کی اس لئے خداوند نے ان پر یہ سب بلا نازل کی

بعینہ یہی مضمون یرمیاہ ب ۷ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خضوع قلب اور تقویٰ کے ساتھ اگر حقیر سے حقیر چیز بھی خدا کے حضور میں پیش کی جائے تو قبولیت کی عزت پاتی ہے۔ ہابیل و قابیل کے قصہ میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ غرض ان دونوں مقدس مسجدوں کی بنیاد تقویٰ اور محبت الٰہی پر ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مسجد یروشلم قیمتی پتھروں اور سونے چاندی کی ایک تعمیر تھی جو مقہور و مجبور مزدوروں کے ہاتھوں بنی تھی (دیکھو سلاطین ب ۵-۱۲)

۳- خانہ کعبہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنایا۔ اس کے لئے ان کو آبائی وطن سے ہجرت کا حکم ہوا۔ اس کی جگہ کی تعیین خود خدا نے فرمائی اور وعدہ کیا کہ جو لوگ اس مقدس گھر میں الحاد اور شرک کے مرتکب ہوں گے اور اس کی حرمت کو بٹہ لگائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے گا چنانچہ اصحاب فیل کے ساتھ اس نے ایسا ہی کیا۔ یہ چاروں باتیں جو قرآن مجید میں مذکور ہوئی ہیں، تورات میں اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ نہیں ہیں کیونکہ یہود نے ان کو نکال دیا ہے تاہم کچھ مخفی اشارات ہیں جو قرآن کی تائید کرتے ہیں۔ مسجد یروشلم کا حال یہ نہیں ہے، اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک عبادت گاہ بنانی چاہی لیکن اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ یہ کام سلیمانؑ کے ہاتھوں انجام پائے گا چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جس طرح اور جس جگہ مناسب سمجھا اس کی تعمیر کی، سموئیل ثانی (ب ۷: ۱-۱۷) میں ہے

اور ایسا ہوا کہ جب کہ بادشاہ گھر میں بیٹھا تھا اور خداوند نے اسے اس کے سارے دشمنوں کی بابت ہر ایک طرف سے آرام بخشا تو بادشاہ نے ناتن نبی کو کہا دیکھ تو میں سرو کی لکڑیوں کے گھر میں رہتا ہوں پر خدا کا صندوق پردوں کے درمیان رہتا ہے، تب ناتن نے بادشاہ کو کہا کہ جا سب کچھ کہ تیرے دل میں ہے کر، خداوند تیرے ساتھ ہے، اور اسی رات ایسا ہوا کہ خداوند کا کلام ناتن کو پہنچا اور اس نے کہا کہ جا اور میرے بندے داؤد سے کہہ، خداوند یوں فرماتا ہے کہ کیا تو میرے لئے ایک گھر جس میں میں رہتا ہوں بنایا چاہتا ہے؟ سو میں جب سے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لایا آج کے دن تک کسی گھر میں نہیں رہا بلکہ خیمے میں اور مسکن

Scanned by CamScanner

میں پھرتا رہا اور جہاں جہاں میں سارے اسرائیلیوں کے ساتھ پھرتا رہا تو کیا میں نے کسی اسرائیلی فرقہ کو جسے میں نے حکم کیا کہ میرے اسرائیلی گروہ کی رعایت کرے، کہا ہے کہ تم میرے لئے سرو کا گھر کیوں نہیں بناتے؟ سو اب تو میرے بندے داؤد سے ایسا کہہ، کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے بھیڑ سالے میں سے جہاں تو بھیڑیں چراتا تھا اٹھا کے اپنی قوم اسرائیل کا حاکم کیا اور میں جہاں جہاں تو گیا تیرے ساتھ رہا اور تیرے سارے دشمنوں کو تیرے سامنے مارا اور میں نے ان لوگوں کی مانند جن کا نام دنیا میں بڑا ہے تیرا نام بڑا کیا، سو اس کے میں اپنی گروہ اسرائیلی کے لئے ایک مکان مقرر کروں گا اور وہاں انھیں لگاؤں گا تاکہ اپنے خاص مکان میں بسیں اور پھر آوارہ نہ ہوں اور شرارت کے فرزند آگے کی طرح ان کو دکھ نہ دیں گے اور نہ اس دن کی طرح جس دن سے میں نے قاضیوں کو مقرر کیا کہ میری اسرائیلی گروہ پر حاکم ہوں اور تجھ کو تیرے سارے دشمنوں سے آرام دیا پھر خداوند تجھ کو فرماتا ہے کہ تیرے لئے گھر بھی بناؤں گا اور جب کہ تیرے دن پورے ہوں گے اور تو اپنے باپ دادوں کے ساتھ سو رہے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیری صلب سے ہو گی برپا کروں گا اور اس کی سلطنت کو قایم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قایم رکھوں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا، سو اگر وہ کوئی خطا کرے گا تو میں اسے آدمیوں کے کوڑے اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا، پر میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی، جس طرح کہ میں نے اسے ساول سے جدا کیا جس کو کہ میں نے تیرے آگے سے دفع کیا، بلکہ تیرے گھر اور تیری سلطنت ہمیشہ تک تیرے آگے قایم رہے گی، تیرا تخت ہمیشہ ثابت ہوگا سو ناتن نے ان ساری باتوں اور اس سارے خواب کے مطابق داؤد سے کہا"

اس کے بعد جب حضرت سلیمانؑ نے تعمیر شروع کی تو یہ وحی آئی۔ (۱سلاطین ۶: ۱۱-۱۳)

اس وقت خداوند کی طرف سے سلیمان پر کلام اترا اور اس نے کہا کہ اس گھر کی بابت جو تو بناتا ہے اگر تو میری شریعتوں پر چلے گا اور میری عدالتوں پر عمل کرے گا اور میرے احکام کو ان پر چلنے کے لئے حفظ کرے گا تو میں اپنے سخن کو جو میں نے تیرے باپ داؤد سے کہا ہے تیرے ساتھ پورا کروں گا اور میں بنی اسرائیل کے درمیان رہوں گا

Scanned by CamScanner

اور اپنی قوم اسرائیل کو ترک نہ کروں گا۔"

۴۔ خانۂ کعبہ کمال اسلام کی تصویر ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے وہیں اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی کی اور انہی باپ بیٹوں نے مل کر اس کی تعمیر اور خدا سے اس کی قبولیت کی دعا کی۔ ہرچند یہود نے توراۃ میں اس قصہ کو بہت کچھ بدل ڈالا ہے لیکن ان کا جھوٹ بالکل آشکارا ہے۔ انھوں نے زیادہ سے زیادہ صرف یہ کیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی جگہ حضرت اسحٰق کا نام رکھ دیا ہے۔ سورہ والصفت میں یہ بحث کسی قدر تفصیل سے گذر چکی ہے اور اس موضوع پر "الرای الصحیح فی من ہو الذبیح" کے نام سے ہمارا ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیم کی جو ذریت جوار حرم میں آباد ہوئی، صبر و رضا اس کے فضائل اخلاق کا سب سے زیادہ نمایاں عنصر تھا۔ قرآن اور اسفار یہود دونوں اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ ہرچند اسفار یہود کی شہادت تحریفات کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے لیکن اتمام حجت کے لئے ہم ان سے بھی تعرض کریں گے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم کی جو اولاد حضرت سارہؑ کے بطن سے تھی اس کو انھوں نے ایک شاداب و زرخیز زمین میں آباد کیا جہاں دودھ اور شہد کی نہریں جاری تھیں۔ اور ان کی جو اولاد حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے تھی اس کو بیت اللہ الحرام کے پاس ایک وادی غیر ذی زرع میں بسایا۔ اسفار یہود میں ان دونوں قبیلوں کی علٰحدگی کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے اولاد بخشی تو حضرت سارہؑ کو رشک ہوا اور انھوں نے حضرت ہاجرہ کے ساتھ بدسلوکی کی، حضرت ہاجرہ نے یہ ذلت و تکلیف نہایت صبر کے ساتھ برداشت کی جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو برکت دی اور اس کا فرشتہ دو مرتبہ ان سے ہمکلام ہوا۔ حضرت سارہؑ اس شرف سے محروم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ مذہبی صحیفوں میں وارد ہے کہ خدا کی نوازش مظلوموں اور شکستہ دلوں کو سب سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ پیدائش (ب ۱۶: ۱۰)

پھر خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا (یعنی تیری گریہ وزاری)

Scanned by CamScanner

پیدائش (ب ۲۱: ۱۷-۱۸) میں ہے۔

"اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرؑہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔"

ہر چند یہود نے حضرت ہاجرؑہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے واقعہ میں بہت کچھ جھوٹ کی آمیزش کردی ہے جیسا کہ سورہ ابراہیم کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ تاہم اپنی خواہش کے خلاف انھوں نے بہت سی ایسی باتوں کا اعتراف کرلیا ہے جو ان کے خلاف حجت ہیں۔

۶۔ بنی اسماعیل کی فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بنی اسحٰق کی بدسلوکیوں کے باوجود انھوں نے ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ خود یہود کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت سارہؑ تحقیر کی وجہ سے حضرت ہاجرؑہ کو لونڈی کہتی تھیں اور یہ بری سنت ان کی اولاد میں بھی باقی رہی چنانچہ بنی اسحٰق بنی اسمٰعیل کو کنیز کی اولاد کہتے تھے، حالانکہ یہ بات بالکل خلاف حقیقت تھی، بالآخر اس کا انجام یہ ہوا کہ حضرت سارہؑ کی اولاد مصر میں غلام ہو کر بکی۔ پیدائش (ب ۳۷: ۲۵) میں ہے

"اور وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی اور دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مرّہ اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انھیں مصر کو لیجائیں تب یہودا نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا، آؤ اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر اپنے ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور ہمارا گوشت ہے اور اس کے بھائی راضی ہوئے اور اس وقت وہ مدیانی سوداگر ادھر سے گذرے سو انھوں نے یوسف کو کھینچ کے کوئیں سے باہر نکالا اور اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپئے کو بیچا اور وہ یوسف کو مصر میں لائے۔"

اس روایت میں بھی ایک اہم بات بالکل چھپا دی گئی ہے لیکن اس وقت ہم اس کو کرید نا نہیں چاہتے

Scanned by CamScanner

یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ انھوں نے حضرت یوسفؑ کو اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ دیا، یہ ان کی غلامی کی تمہید تھی، اس کے بعد ایرانیوں، مصریوں اور رومیوں نے یکے بعد دیگرے ان کو گرفتار کیا اور غلام بنایا۔ اس کے برخلاف حضرت ہاجرہ کی اولاد اپنی پوری تاریخ میں کبھی غلامی کی ذلت سے آشنا نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کی حفاظت فرمائی۔ بلکہ جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے، بنی اسماعیل نے اپنے بھائیوں کے دشمنوں سے ان کی ذلتوں کا انتقام لیا۔ ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے خریدا اور اب ایک عرصے سے صرف ممالک اسلامیہ ہی ان کے لئے جائے پناہ ہیں اور اگر وہ حضرت سرور عالم صلعم پر ایمان لائیں تو جیسا کہ قرآن مجید اور توراۃ میں وعدہ ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ کا ان پر انعام ہوگا اور الحمدللہ اس اقدام سعادت کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔

ان تمام حالات پر غور کرو، کسی موقع پر بھی بنی اسماعیل نے ان کو غلام بنانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ جس طرح ایک شریف بھائی ہر موقع پر اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اسی طرح انھوں نے ہر موقع پر ان کی مدد کی اور ان کے دشمنوں سے ان کی ذلتوں کا انتقام لیا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے خود بیچا تھا لیکن انھوں نے ان کو غلام بنا کر رکھنا پسند نہیں کیا، بلکہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝ (یوسف۔ ۲۰)

اور انھوں نے یوسف کو معمولی قیمت چند درہموں پر بیچ دیا اور وہ اس سے بے رغبت تھے۔

۷۔ ایک قابل لحاظ حقیقت یہ بھی ہے کہ بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کے مقابلہ میں خدا سے زیادہ لگاؤ رہا ہے۔ شرارتوں اور بت پرستی کے علاوہ بارہا ایسا ہوا کہ یہود اس منعم حقیقی کو یکقلم چھوڑ بیٹھے۔ تورات میں متعدد مقامات پر ان کے شرک کے ساتھ خدا سے ان کی بالکلیہ علٰحدگی کا ذکر بھی آیا ہے (دیکھو یرمیاہ ۲) لیکن عربوں نے کسی دور میں بھی اپنے حیّ و قیوم خدا کا دامن نہیں چھوڑا۔ البتہ انھوں نے اس کے دربار کے لئے بہت سے سفارشی ٹھہرائے تھے جن کو نصاریٰ کی طرح خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کا درجہ دیتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى

ہم ان کو صرف اسلئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں

Scanned by CamScanner

سورہ یونس میں ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ	وہ خدا کے علاوہ ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو ان کو کسی طرح کا نفع و نقصان نہیں
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس-۱۸)	پہنچا سکتیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے حضور ہمارے سفارشی ہیں۔

انھوں نے خدا سے بالکلیہ علیحدگی کبھی نہیں اختیار کی، وہ بیت اللہ کا حج کرتے تھے، اس کے نام کی تکبیر کہتے تھے، اس کی عبادت و پرستش کرتے تھے، اس لئے یہود کا کفر عربوں کے کفر سے زیادہ سخت و شدید ہے۔

۸۔ یہود کے مقابل میں بنی اسماعیل کا عذر بھی زیادہ واضح ہے۔ وہ اپنے دین سے اس وقت ہٹے جب امتداد زمانہ کے بعد حضرت ابراہیم کی تعلیمات بالکل فراموش ہو گئیں اور کوئی دوسرا نبی تذکیر و یاد دہانی کے لئے مبعوث نہیں ہوا بلکہ اس کے باوجود ان میں ایسے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد باقی رہی جو دین حنیفی پر قائم اور بت پرستی سے متنفر تھی۔ برعکس اس کے یہود نے اس نبی کے سامنے گوسالہ پرستی کی جس پر ایمان لائے تھے اور جس کے حیرت انگیز معجزات کا قدم قدم پر مشاہدہ کر رہے تھے، پھر نبی کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد بار بار بت پرستی کی لعنتوں میں گرفتار ہوئے۔ توراۃ کی کتاب القضاۃ اور سلاطین میں یہ تفصیلات مذکور ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ انذار اور اتمام حجت کے بغیر وہ کسی قوم پر عذاب نہیں نازل کرتا۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا	ہم اس وقت تک کسی قوم کو سزا نہیں دیتے جب تک اس کے
(الاسراء-۱۵)	پاس ایک رسول نہ بھیج لیں۔

بظاہر یہی وجوہ و اسباب ہیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس مقدس گھر کی ہمیشہ حفاظت کی، وللہ الحمد۔

چند امور مہمہ

۵۔ بنی اسرائیل اور مسجد یروشلم کے مقابل میں بنی اسماعیل اور خانہ کعبہ کے جو خصوصیات و فضائل اوپر بیان ہوئے ہیں، ان میں بعض اہم اشارات ہیں، جن میں سے چند بعض شبہات کے ازالہ کے لئے ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ بندے کے لئے یہ بات کبھی زیبا نہیں ہے کہ وہ خدا سے مدعیانہ مطالبہ حقوق کرے اور یہ سمجھے کہ چونکہ

Scanned by CamScanner

اس میں فلاں فلاں خوبیاں ہیں، اس لئے وہ فلاں فلاں انعامات کا مستحق ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور اس کے تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہیں، اس لئے اس کا منصب صرف تذلل و استکانت ہے۔ جو چیزیں بظاہر کسی طرح کی فضیلت نظر آتی ہیں وہ بھی خدا کی طرف سے رحمت کا ایک بہانہ ہیں۔ ایک شخص اگر دعا کرتا ہے تو اس کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس نے خدا پر کوئی احسان کر دیا، یا کوئی ایسا کارنامہ انجام دے دیا ہے جس کے بعد وہ خواہ مخواہ خدا کی طرف سے اجر کا مستحق ہو گیا ہے۔ اس کو زیادہ سے زیادہ صرف یہ خیال کرنا چاہئے کہ جس رحمن و رحیم کی عنایات سے بندہ، بن مانگے ہر آن بہرہ مند ہے، وہ مانگنے والے اور گڑگڑانے والے کو اپنے در سے کبھی محروم نہیں لوٹائے گا۔ قرآن مجید اور تورات و انجیل میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی ہے۔ خدا برے اور بھلے دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں کرے گا، اس کے لئے اس نے آزمائش اور امتحان کا قانون رکھا ہے، اسی قانون کے بموجب اس نے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا۔ انھوں نے اپنے عزیز لخت جگر کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا اور باپ بیٹے دونوں بندگی کے امتحان میں پورے اترے، بظاہر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا یہ کتنا بڑا کارنامہ ہے! لیکن غور کرو، انھوں نے خدا کے حضور میں جو چیز پیش کی اِن کی تھی؟ خدا ہی کی بخشی ہوئی تھی۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تاہم یہی بات دریائے رحمت کے جوش میں آنے کا بہانہ بن گئی اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے بے پایاں انعاماتِ الٰہی کے دروازے کھل گئے۔

یہ حقیقت بالکل کھلی ہوئی ہے لیکن جب دل سخت اور سیہ کاریوں سے بے نور ہو جاتا ہے تو یہ کھلی ہوئی حقیقت بھی نظر نہیں آتی، اسی لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

"اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے (متی باب ۳)

یہود اس خیال میں گرفتار قدریہ کے پیشرو ہیں، اس کے برعکس نصاریٰ نے دوسری طرف غلو کیا اور

Scanned by CamScanner

اعمال کو یکقلم لاحاصل قرار دے دیا، جس کی دوسری مثال حبطیہ ہیں۔ اس تفصیل سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ فصل میں بنی اسمٰعیل کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ سب توفیق الٰہی کے ثمرات ہیں، اس لئے اس کو حق تھا کہ اپنے احسانات یاد دلا کر انھیں اپنی طرف لوٹنے اور صرف اپنی ہی بندگی و اطاعت کی دعوت دے۔

۲۔ جس طرح کسی بندے کو کبھی استحقاق کا گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ خدا کے کرم اور اس کے وعدوں پر بھروسہ کرنا چاہئے، اسی طرح کسی مسجد یا معبد کے متعلق جس کی تعمیر خدا کے نام پر ہوئی ہو، یہ خیال نہیں کر لینا چاہئے کہ اس کی حفاظت و صیانت خدا پر فرض ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ صرف یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لئے جو چیز اس کے حضور میں قربت کا ذریعہ ٹھہرائی گئی ہے وہ اس کی نگرانی و حفاظت سے محروم نہ ہو گی۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر بیت اللہ کے وقت اور حضرت سلیمانؑ نے تعمیر بیت المقدس کے وقت نہایت الحاح و زاری کے ساتھ خدا سے ان کی قبولیت کی دعا مانگی، کہ عبادت و بندگی اور تقرب و نیازمندی کے یہ مرکز اس کی حفاظت و نگرانی سے محروم نہ ہوں، لیکن یہ اسی وقت تک جب تک یہ تقرب و بندگی کے مرکز ہوں، اگر یہ حقیقت فراموش ہو جائے اور لوگ اللہ کے عہد کو بھلا کر اس سے اپنا رشتہ کاٹ لیں، تو وہ اس بات کے مستحق ہو جاتے ہیں کہ جو چیز ہدیہ نیاز بنکر ان کے اگلوں کے لئے تقرب کا ذریعہ ہوئی، وہی لعنت کا پتھر بنکر پچھلوں کی تمام عظمت کو پارہ پارہ کر دے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ ایسا فوراً ہو، خدا رحمت میں جلدی کرتا ہے، لیکن عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ تورات اور قرآن میں اس بات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ یہ بات بھی منجملہ بدیہیات کے ہے، لیکن جن آنکھوں پر باطل آرزؤں کی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں ان کو نظر نہیں آسکتی۔ ایسے لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ سے اپنے متعلق ہر قسم کے استحقاق کی ایک دائمی سند حاصل کر لی ہے۔ فصل دوم کے آخر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے، اس پر غور کرو، سورہ توبہ کی اس آیت میں بھی یہی اشارہ ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ	کیا تم ان لوگوں کو جو حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور مسجد حرام کا انتظام کرتے
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	ہیں ان کے ہم رتبہ سمجھ لیا جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور خدا کی راہ میں

Scanned by CamScanner

لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ (توبہ - ۱۹) جہاد کیا، اللہ کے حضور میں وہ برابر نہ ہوں گے۔

پس سب سے زیادہ قریب ترین وسیلہ تقرب، طاعت و تقویٰ ہے۔ تمام شعائر کا قیام و بقا اسی مقصود کے لئے ہے۔ بندہ کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے پروردگار کا شکرگذار اور اس کی رحمتوں کا امیدوار رہے، استحقاق کا وسوسہ دل میں گذرنے نہ دے۔

۳- خداوند تعالیٰ جب کسی گھر کو قبول فرماکر، اس کو اپنے نام کی نسبت سے مقدس کر دیتا ہے (اور یہ شرف صرف متقین ہی کے بنائے ہوئے گھروں کو حاصل ہوتا ہے (اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ) تو وہ گھر اس کی برکتوں کا سرچشمہ اور اس کے عہد و میثاق کی تجدید کے لئے گویا اس کا دایاں ہاتھ بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب تک لوگ خلوص قلب اور تجدید عہد کے عزم کے ساتھ اس کی چوکھٹ پر حاضر ہوتے ہیں، وہ عہد قائم رہتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل سے فرمایا گیا۔

اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ - ۴۰) تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور بنی اسمٰعیل سے فرمایا گیا

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ - ۱۵۲) تم مجھ کو یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔

لیکن جب وہ اس عہد کو توڑ دیتے ہیں اور گویا خود اس گھر کو ڈھانے کے لئے تیشے لیکر کھڑے ہو جاتے ہیں، تو خداوند تعالیٰ جو تمام عالم سے بے نیاز ہے، ان کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے، اس کا یہ فیصلہ قوم کے اکثر حصہ کی حالت پر مبنی ہوتا ہے، یا تو کسی قوم کا بڑا حصہ نافرمان اور عہد شکن ہو جاتا ہے، اس لئے وہ بربادی کے حوالہ کر دی جاتی ہے یا نافرمان تو تھوڑے ہوتے ہیں، لیکن اکثریت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض سے غافل رہتی ہے، ایسی حالت میں بھی قوم تباہ ہو جاتی ہے، کیونکہ تقویٰ کا نصف حصہ تعاون علی الخیر اور منع شر ہے۔ سورہ والعصر میں ہم اس کو مفصل بیان کر چکے ہیں۔ یہ جو ہم نے کہا ہے، عدل الٰہی کا عام اور کھلا ہوا قانون ہے۔ کبھی خداوند تعالیٰ کی حکمت مقتضی ہوتی ہے کہ کسی قوم کی نادانیوں سے درگذر کرے یا کسی خاص بہتری یا کسی خاص حکمت کی وجہ سے، جس کو صرف وہ حکیم اور علام الغیوب ہی جانتا ہے، شریروں کا ہاتھ فوراً نہ پکڑے، مثلاً یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کو بالکل بدل ڈالا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی، برخلاف قرآن مجید کے، کہ شریروں اور کج اندیشوں نے بہتیرا چاہا کہ اس میں دست اندازی کریں، لیکن اس کا ایک نقطہ بھی اس کی جگہ سے ہٹانے کی ان کو فرصت نہ مل سکی۔

(باقی)

معارف قرآن

خیالات اثناء ترجمۂ قرآن

از

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ مرحوم نے ایک زمانہ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ کرنا چاہا تھا لیکن قرآن کی دوسری مہمات نے اس کے لئے فرصت نہ دی پھر آخر کے دو ڈیڑھ پاروں کا ترجمہ ہو کر کام رک گیا۔ وہ ترجمہ میں جن امور کا لحاظ رکھنا چاہتے تھے ان کے متعلق ایک مختصر یادداشت قلمبند کر لی تھی جو شائع کیجاتی ہے یہ ناتمام حالت میں ہے اس لئے کہیں کہیں عبارت چھوٹی ہوئی ہے۔ بعض جگہ سخت ابہام ہے۔ ناظرین غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ بعض سورتوں کا ترجمہ بھی شائع کیا جائیگا۔ (اڈیٹر)

(۱) جس طرح الفاظ مشترک ہوتے ہیں، اسی طرح اُسلوب بھی مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً استفہام انکاری، زجر اور تسکین دونوں موقع پر آتا ہے۔ مثلاً أرأ، تقسیم اور مقابلہ دونوں مقصد کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

(۲) ایجاز اور اطناب کا اثر مختلف ہے، اس لئے ترجمہ میں اسکا لحاظ ضرور کرنا چاہیئے۔

(۳) نیز ادا، شان، اور اظہار جذبات کلام کی جان ہیں، ان کو بدلنا عبارت کو مسخ کرنا ہے۔ واعظ، جنرل، خطیب، نبی، اور خدا کا کلام اس خاص امر میں بالکل ممتاز ہوتا ہے، کلام سے قائل کی وقعت اور عظمت ٹپکتی ہے۔

(۴) خاص الفاظ اور محاورات اور بندش سے جذبات کی نوعیت اور مقدار معلوم ہوتی ہے، استعمال نے اور نیز مزاج اور تاریخ ملک نے خاص خاص الفاظ اور طرز کو خاص خاص جذبات اور مواقع کے لئے اور نیز مدارج متکلم کیلئے مختص کر دئے ہیں۔

Scanned by CamScanner

(۵) شان کلام وجذبۂ کلام کو بدلنا زیادہ مضر ہے، بلکہ اگر اس کو جذبہ اور شان سے معرا کر دیا جائے تو کم ضرر رہے۔ بادشاہ کے محاورہ کو مثلاً سوقی کے محاورہ میں ظاہر کرنا، اس کو مسخ کرنا ہے۔ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ بعض دلچسپ ترجموں سے بہتر ہے، کیونکہ وہ کچھ تو جذبات سے معرا ہے، اور کچھ قدامت زبان نے اس کو اور پھیکا کر دیا ہے۔

(۶) ہم کو گن کر ان باتوں کو بتا دینا چاہیے جو ترجمہ میں مفقود ہوں گی، تاکہ پڑھنے والا کلام الٰہی پر غلط رائے نہ قائم کرے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شخص قرآن کا ترجمہ پڑھکر تعجب اور تمسخر سے کہتا تھا "کیا خدا یونہی گفتگو کرتا ہے" حالانکہ کلام الٰہی بجلی کے کڑکے اور سمندر کے شور سے زیادہ مہیب ہے۔ جذبات اور شان کی مقدار قائم نہیں رہ سکتی، مگر نوعیت کو بدلنا نہیں چاہیے۔

(۷) جذبات کا پتہ ہر جگہ نہیں لگتا، کلام جاہلیت کے استقصا اور آیاتِ مماثل سے پتہ چل سکتا ہے۔

(۸) نظام سورہ ذہن میں آنے کے لیے موجودہ تقسیم رکوع اور جزء، مخل ہوتی ہے۔ سورہ کے مضمون پر کافی غور نہیں کیا گیا، اور رکوع قائم کر دی گئی۔ اور جزء تو محض مقدار کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔

نئی ترتیب کی ضرورت کسی خطبہ یا رسالہ کے زورِ استدلال اور موضوع کے سمجھنے کیلئے، صحیح تقسیم نہایت ضروری ہے، کچھ نہیں معلوم کہ کون سورہ کس مقصد پر نازل ہوئی ہے۔

اسماءِ سور اسماء سور سے بجائے رہبری کے غلط خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ نام بیشک عرب کے مذاق کے موافق رکھے گئے۔ جیسے کریما، مامقیمان، اللہ خدائی، گلستان، بوستان، وغیرہ کے نام سے مضمون کی طرف کچھ رہبری نہیں ہوتی اسی طرح نمل، عنکبوت، بقرہ، واللیل، والضحیٰ وغیرہ سے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ اس سورہ میں کیا ذکر ہوگا۔ یہ بحث کہ قرآن میں انقضاب ہے یا نہیں، اس سے متعلق نہیں۔ مان لیتے ہیں کہ ایک ہی سورہ میں چند مضامین مذکور ہیں، اور ان میں ہر ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتا، اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کے طرف گزرنے میں کوئی طرز بیان تعلق نہیں ظاہر کرتا، بلکہ جست کرجانا پڑتا ہے۔ مگر اس پر بھی یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ان چند مضامین کے بیان میں اپنی حد کے اندر تناسب ملحوظ ہے یا ہماری غزلیات کی طرح ہر شعر نئی داستان رکھتا ہے؟ اندرونی شہادت سے

Scanned by CamScanner

یہی معلوم ہوتا ہے کہ اقتضاب بہت کم ہے، اور ہر مضمون نہایت مسلسل بیان کیا گیا ہے۔

موجودہ تقسیم رکوع نکال دو، اور نئے سر سے فقرات قایم کرو، ہر سورۃ نہایت حکیمانہ خطبہ بن جائیگی۔

ہر سورہ کے پہلے یہ بتانا چاہئے کہ اس کا موضوع کیا ہے۔

(۹) بسا اوقات لفظ اپنے اولی معنی سے بالکل نکل کر ثانوی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، ایسی حالت میں اولی معنی کے موافق ترجمہ کرنا غلطی ہے۔ اس امر کا دریافت کرنا بعض اوقات مشکل ہوتا ہے کہ لفظ آیا اولی معنی میں لیا گیا ہے، یا ثانوی معنی میں۔ قرینہ و تتبع کلام عرب کے سوا کون سی چیز ہے، جس سے اس کا فیصلہ ہو؟ القارعۃ سے مراد قیامت ہے، مگر آیا یہ لفظ قیامت کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا یا اول معنی سے خود قرآن نے اس کو نکالا ہے، اور پہلے اس کے معنی محض "ٹھوکنے" کے تھے؟ یا استعمال قرآن سے پہلے یہ لفظ مصیبت کے معنی میں مستعمل ہو چکا تھا؟ استعمال عرب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اپنے اولی معنی سے نکل چکا تھا، اور مشکلات کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا، قریع الدہر اور اقرع سے پتہ چلتا ہے۔

(۱۰) بسا اوقات کوئی لفظ ایک ہی معنی کے مدارج میں اشتراک رکھتا ہے۔ وہاں ہر ایک معنی لئے جا سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں نہایت دقت پڑتی ہے۔ مثلاً "رب" کہیں آقا اور کہیں خدا کے معنی میں مستعمل ہے، یہاں بھی قرینہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ "رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس" میں رب بمعنی آقا ہے۔

(۱۱) بعض الفاظ مرکب معنی رکھتے ہیں، اسپر کبھی جزو معنی پر دلالت کرتے ہیں، اور کبھی ایک جزو پر کبھی دوسرے جزو پر، مثلاً "حمل"۔ لاد کر لے چلنا، کبھی محض لادنا، کبھی محض لے جانا جب ایسے الفاظ مرکب معنی پر دلالت کرتے ہیں، اس وقت مجبوراً ان کے ترجمہ میں بجائے ایک لفظ کے چند الفاظ استعمال کرنے پڑیں گے۔ لیکن یہاں ترجمہ میں دفعہ ۲ کے لحاظ سے وہی اثر قایم نہیں رہے گا، نہ صرف اس لئے کہ چند الفاظ ناگوار ہوں گے، بلکہ اس لئے بھی کہ تصریح میں وہ ہلکا رنگ زیادہ شوخ ہو جائے گا۔ مثلاً حمل کے معنی لاد کر لے چلنے کے ہیں، مگر ترجمہ میں وہ بات نہیں رہتی۔

(۱۲) نثر مقفّٰی میں نظم کی طرح غیر ترتیبی معاف ہے، کیونکہ عبارت کی خوبی اس کو غیر محسوس کر دیتی ہے۔ اب ترجمہ میں اگر عبارت محض سادہ ہے، تو بے ترتیبی ناگوار ہو گی، نیز بعض مواقع پر محض قافیہ اور بندش کے لئے غیر انسب

Scanned by CamScanner

لفظ مستعمل ہوتا ہے، پھر ترجمہ میں کیوں ہم اس کی پیروی کریں۔ لیکن قرآن کے ترجمہ میں بڑی ذمہ داری ہے، ناچار وہی غیر انسب لفظ لانا پڑے گا۔

(۱۳) لیکن سادی عبارت میں صرف انسب لفظ خوبی پیدا کر سکتا ہے، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کا ترجمہ ہوگا "نہ کسی کا باپ نہ کسی کا بیٹا"۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ تو ترجمہ ہے "لیس ثمّٰ باب لاحد ولا ابن" کا، اور لَمْ یَلِدْ کا ترجمہ کچھ اور ہونا چاہیے، کیونکہ عربی میں یہ دوسرا فقرہ نہایت بھدّا ہے، اور حسبِ بندش نے اُس طرزِ ادا کو ترجیح دی۔ کیا اب ترجمہ میں ہم وہی عیب پیدا کر دیں جو اصل میں دور کیا گیا تھا؟ یہاں پہلا ہی طرزِ ادا انسب بھی ہے، مگر اردو میں ایسا لفظ موجود ہی نہیں جو یَلِدْ مذکر کا ترجمہ ہو سکے۔

(۱۴) فہرستِ الفاظ و محاورات محتاجِ سند۔

الہام (اَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا الخ) استفہام مکرر (اَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰی اَرَاَیْتَ الخ) واو عطف اور معیّت (نَاقَةَ اللهِ وَسُقْیٰھَا) (مَا اَدْرٰكَ مَاھِیَ) وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی، وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَکُوْنُ قَرِیْبًا[1]...

....

(۱۵) جہاں دو مختلف الجنس ضمائر آتی ہیں، فوراً ذہن دو مختلف چیزوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ایک ہی طرح کی ضمیر ہو تو وہ بات نہیں پیدا ہوگی، اس لیے یہاں اظہار ضروری ہے۔ مثلاً فَکَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْھَا ترجمہ:- سو پیغمبر کو جھٹلایا، اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔

(۱۶) عربی میں دو فعل متوالی کو محض واو عطف سے ملاتے ہیں، اردو میں لفظ "کر" صیغہ اصل کے ساتھ ملا کر۔ مثلاً "اَلْقَتْ مَافِیْھَا وَتَخَلَّتْ" کا ترجمہ:- "اپنے اندر کی چیزیں باہر ڈال کر خالی ہو جائیگی" ہو سکتا ہے، مگر شاید بعض جگہ فصل انسب ہوگا۔

---

[1] اصل مسودہ میں یہاں جگہ خالی ہے۔ اڈیٹر۔

(۱۷) بعض السنہ میں مجہول کثرت سے مستعمل ہوتا ہے، مگر صرف وقوع فعل مراد ہوتا ہے۔ اردو میں ایسا نہیں ہے۔ اور اس لئے مجہول کا ترجمہ لازم فعل کی شکل میں صحیح تر ہوگا۔ مثلاً "وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ" یہاں صرف وقوع امر مراد ہے نہ کہ ان کی نسبت فاعل منوی سے۔

(۱۸) نثر مقفیٰ میں بھی نظم کی طرح وصل و فصل جملہ، پابند قافیہ نہیں ہوتا ہے، اور اسی لئے قرآن میں کبھی ناتمام جملہ پر آیت لا بنی ہوتی ہے، اور کبھی آیت کے بغیر جملہ تمام ہو جاتا ہے۔ وقف اور ط وغیرہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مگر پابندی اصول نہایت سختی کے ساتھ نہیں کی گئی۔

جملوں کا قافیہ کے ساتھ ختم ہو جانا، اور قافیہ اور خیال کا وصل اور فصل میں مطابق رکھنا، بظاہر بہترین اسلوب معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ دونوں اسلوب بجائے خود بہتر ہیں۔ بلکہ بعض مواقع پر سادہ نثر مقفیٰ پر ترجیح رکھتی ہے۔ قوافی سے خیال کا باہر نکل جانا، کلام کی روانی اور تسلسل اور بے تکلفی ظاہر کرتا ہے اور نہایت قادر الکلام شاعروں[۱] کے کلام میں اس کی مثال ملتی ہے۔ قرآن میں اس کی مثال سے خود اسکی لطافت اور سلاست ظاہر ہوتی ہے۔

(○ = فصل قافیہ، + = فصل خیال)

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ + وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ط + لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ + وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ لا بِنَصْرِ اللّٰهِ ط + یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○ وَعْدَ اللّٰهِ ط + لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ○ + یہاں قرآن نے نہایت خوبی سے ○ کو لا سے ظاہر کیا ہے کہ قوافی خیال کو تمام نہیں کرتے ہیں۔ اس مثال میں ایک عجیب لطف یہ ہے کہ اگر ○ لا پر قرأت ختم کردو تو کلام تمام معلوم ہوتا ہے، مگر جب آگے پڑھو تو مابعد اس میں پیوند ہو جاتا ہے۔ یہ اسلوب جدید قرآن کے سوا نظر نہیں پڑا اور ہمارے اہل بدیع نے بھی اس کو نہیں لکھا۔

(۱۹) کلام الٰہی کو روزمرہ زبان سے الگ ہونا چاہئے۔ خود قرآن کی طرز اس وقت کی زبان سے مختلف ہے۔

---

[۱] مثلاً مولوی معنوی، فردوسی، ہومر، شکسپیر کے آخر زمانہ کے کلام میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ - فراہی

Scanned by CamScanner

محاورہ وتحریر میں ہمیشہ فرق رہتا ہے۔ قدامتِ طرز، متانت ورزانت کے موافق ہے، اور اسی لئے اس کی پیروی کی جاتی ہے۔ مثلاً [illegible] کا ترجمہ **بائبل** کی زبان میں کیا گیا ہے۔ ناول کی، خطوط کی، لکچر کی، عرائض کی، اخبار کی، مباحثہ کی، تاریخ کی علمی مضامین کی زبانیں مختلف ہیں۔ خود شعر ونثر کی زبان یکساں نہیں ہوسکتی۔ پس ہم کو ترجمہ میں ایک حد تک عربیت قایم رکھنی چاہیئے۔ الفاظ سادہ ہوں مگر ترکیبیں روزمرہ کی نہ ہوں۔

(۲۰) بعض محاورہ مشتمل بر تشبیہ ہوتے ہیں۔ (بعض لفظ لفظی ہوتے ہیں) مگر کہیں مرورِ زمانہ سے تشبیہ معدوم از احاطۂ معنی ہو جاتی ہے، اور کہیں مضمحل اور کہیں نمایاں، اور اس سے کلام کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے۔ ترجمہ میں ہم کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ مگر دقت اس کے معلوم کرنے میں ہے۔ اس حالت میں زیادہ میلان تشبیہات کے قایم رکھنے کی طرف ہونا چاہیئے۔ لیکن بعض محاورہ اگر تشبیہی معنی کے ساتھ ترجمہ کئے جائیں تو سمجھ میں خوب نہیں آئیں گے، کیونکہ مدار تشبیہ کبھی ایسی اور تشبیہ پر ہوتا ہے، جو دو زبانوں میں غیر مشترک ہیں۔ اس حالت میں جہاں نمایاں تشبیہ ہو وہاں فائدہ سے کام لینا چاہیئے۔ اور جہاں نہایت خفی ہو، وہاں چھوڑ دینا چاہیے۔ مگر وہیں جہاں سیاق سے بھی معنی متبادر نہ ہوسکتے ہوں۔

(۲۱) بعض جگہ عام معنی کے اظہار کے لئے خاص صورت اختیار کی جاتی ہے، کیونکہ وہ خاص صورت اس زبان میں واقعات روزمرہ میں ہوتی ہے اور اس لئے اقرب الی الفہم ہوتی ہے۔ اس حالت میں ترجمہ میں اس کو اختیار کرنا ابعد عن الفہم ہوگا۔ مگر اس کو چھوڑ دینے میں یہ دقت ہے کہ اس ملک کی روزمرہ زندگی کا پتہ کلام سے نہیں لگے گا (افہام مگر مقدم ہے؟) نیز ایک ذمہ داری کی بات ہے کہ ہم بعض خاص صورت کو محض عارضی قرار دیں۔

(۲۲) بعض جملہ جس خیال کو ادا کرتا ہے، اس خیال کے ادا کرنے کے لئے دوسری زبان میں ایک ایسا جملہ ہوتا ہے، جو اس کا لفظی ترجمہ نہیں ہوتا مگر مجموعی معنی پر ٹھیک چسپاں ہوتا ہے، مثلاً "لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ" ترجمہ "اس دن کچھ ایسا حال ہوگا کہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی" یا "اس روز ہر ایک اپنے اپنے حال میں مبتلا ہوگا"۔ جہاں اس طرح کا ترجمہ کیا جائے، وہاں حاشیہ میں لفظی ترجمہ لکھ دینا چاہیئے، اور حتی الوسع اس خیالی

Scanned by CamScanner

ترجمہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۲۳) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کے مدارج کو میں صاف صاف بتاؤں تاکہ بین طور پر نظر آئے کہ خیالی ترجمہ سے میری کیا مراد ہے؟

مدارج ترجمہ | اور اس لئے قرآن کے سوا ایک اور مثال پیش کرتا ہوں، کیونکہ مثال کے بغیر ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکے گا، حماسی کا قول ہے:-

فدت نفسی و ما ملکت یمینی   فوارس صدقت فیھم ظنونی

مدارج ترجمہ:- (۱) تحت اللفظ، (۲) نحوی، (۳) اسلوبی، (۴) خیالی،

(۱) فدا ہو جان میری اور جو کچھ کہ مالک ہے داہنا ہاتھ میرا، سواروں کو کہ سچا کیا بیچ اپنے گمان میرے۔

(۲) میری جان اور جس چیز کو میرا داہنا ہاتھ مالک ہے فدا ہو! اُن سواروں پر کہ میرے گمان کو جو ان کی بابت تھا، سچ کر دیا، یہاں نسبت افعال و حالتِ کلمہ محفوظ رکھی گئی ہے، مگر مقدر کو ظاہر کرنا پڑا ہے مثلاً (جو ان کی بابت تھا) اور نیز نسبت صحیح کرنے کو مفعول بہ مجرور ہو گیا ہے مثلاً (سواروں پر) پہلے ترجمہ میں نحوی غلطی تھی، اسیں وہ صحیح کر دی گئی ہے۔

(۳) ان سواروں پر میری جان اور مال قربان ہو جائے جنھوں نے میرے خیالات کو جو ان کی نسبت تھا، سچ کر دیا۔ اس ترجمہ میں محض اسلوب بیان ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) ان سواروں پر میری جان اور مال قربان ہو جائے جنھوں نے دکھلا دیا کہ جیسا کچھ میں انھیں سمجھا کرتا تھا، اس میں سر مو فرق نہ تھا۔ اس میں صرف اصل خیال ملحوظ رکھا ہے، اور لفظوں کی پابندی بالکل نہیں ہے۔

اب اس خیالی ترجمہ کے عالم میں بہت گنجائش ہے، اور مختلف ترجمہ ہو سکتے ہیں، لیکن جس زبان میں ترجمہ ہو اس کے لحاظ سے متعین ہو سکتا ہے کہ فلاں خیال کے لئے ٹھیک ٹھیک کون محاورہ ہے۔ یعنی اگر یہی خیال مترجم کو آئے، تو سیدھے طور پر بلا کسی قید کے کیوں کر ادا کرے گا؟ مگر یہ تعین محض فرضی ہے، واقعی نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ہی زبان کے اشخاص ایک خیال کو مختلف طور پر ادا کرتے ہیں، اگرچہ حقیقت میں صحیح ترین اسلوب ایک سے

Scanned by CamScanner

زیادہ نہیں ہوتا۔ الا ماشاء اللہ۔ خیالی ترجمہ جیسا ظاہر ہوا نہایت مخدوش ہے، اور با محاورہ ترجمہ جس کا نام میں نے اسلوبی رکھا ہے، انسب ہوگا۔ بلکہ محاورہ کی پابندی بھی بہت سنبھل کر کرنی ہوگی، تاکہ اسلوب کلام مدلولِ اصل باقی رہے مثلاً "مَا ملکت یمینی" اردو کے محاورہ میں بیکار ہے، تاہم اس کو چھوڑ نہیں سکتے، ورنہ بلحاظ محاورۂ اردو تو اسی قدر کافی ہے کہ "میں قربان جاؤں"!

مزید برآں کہ شان اور جذبہ و ایجاز و اطناب کا لحاظ ضروری ہے، (دیکھو! ۲، ۳، ۴) ان تمام کشاکش کے ساتھ مترجم کا قلم چلتا ہے، اور کبھی مجبوراً اسلوبی کو چھوڑ کر خیالی ترجمہ پر مائل ہوتا ہے، مگر نہایت خاص صورتوں میں، اور جہاں یقیناً معلوم ہو کہ یہ خیالی ترجمہ مطابقت کلی رکھتا ہے، مثلاً "لِکُلِّ امرءٍ منھم یومئذٍ شانٌ یغنیہ"۔

قرآن کی دعوت عقل و بصیرت پر مبنی ہے

قرآن انسان کو، ایمان اور عمل صالح کی طرف عقل و بصیرت یا دوسرے لفظوں میں اسکی اس فطرت کی راہ سے دعوت دیتا ہے، جس سے وہ بے خبر ہے۔ یعنی فطرتِ انسانی کے اندر جو حقائق موجود ہیں ان کو آشکارا کر کے انسان کو ان سے باخبر کر دیتا ہے۔ اس لئے قرآن نے اپنا نام ذکر و تبصرہ رکھا ہے۔ اور چونکہ وہ فکر و نظر اور علم و ایقان کے اصولوں کی طرف بھی رہبری کرتا ہے۔ اور انسان کے فکر و علم کو ایک ایسی محکم بنیاد پر قائم کر دیتا ہے جس کو شک و شبہہ متزلزل نہیں کر سکتا اس لئے اس نے اپنا نام ہدیٰ، تبیان، حق، برہان، بصائر اور نور وغیرہ رکھا۔

منشر الٰہی

قرآن اور ترتیب اسماء انبیاء کرام

از

مولوی ابواللیث شبیر محمد صاحب اصلاحی ندوی

ایک مشہور یہودی عالم گائیگر نے اپنی کتاب "یہودیت اور اسلام" (Judaism and Islam) میں قرآن اور مذہب اسلام پر جا بجا بہت سے اعتراض کئے ہیں۔ قرآن کے متعلق اس کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضور صلعم چونکہ امی تھے اور گذشتہ انبیاء کے صحیفوں سے ناواقف، اس لئے جن انبیاء کے حالات معلوم ہوئے، ان کا ذکر تو قرآن میں کیا لیکن بہتوں کا تذکرہ چھوڑ دیا اور اپنی ناواقفیت کی پردہ پوشی کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نعوذ باللہ) یہ گڑھ کر کہہ دیا کہ "ہم نے بہت سے انبیاء کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن قصداً بہتوں کا ذکر نہیں کیا" اور چونکہ امی ہونے کی وجہ سے سنی سنائی باتوں پر آپ نے اعتماد کر لیا، اس لئے آپ سے بہت سی غلطیاں صادر ہوئیں اور قرآن میں انبیاء کی ترتیب مضحکہ انگیز[1] ہو گئی"۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے اس قسم کے اعتراضات نئے نہیں ہیں، مذہب اسلام ہمیشہ ان کے غلط اعتراضات اور بیجا نکتہ چینیوں کا ہدف رہا ہے۔ اس مصنف نے بھی قرآن اور آنحضور صلعم کے متعلق جس خیال کا اظہار کیا ہے، صاف ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ یوروپین مصنفین جو ہر جگہ اپنی حیرت انگیز تحقیق کا ثبوت دیتے ہیں، جب کبھی کسی اسلامی مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو ایسی بے خبری کی باتیں کرتے ہیں کہ سنکر حیرت ہوتی ہے۔ اس قسم کے اعتراضات، چنداں لائق اعتنا نہیں لیکن قصص قرآنی کے متعلق گائیگر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، یہی خیالات اکثر مسلمانوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ قصص انبیاء اور ان کی ترتیب پر مختصر گفتگو کی جائے۔

---

[1] Judaism and Islam. P. 19

Scanned by CamScanner

قرآن اور قصص انبیاء معترض کے خیالات کا جو خلاصہ میں نے اوپر پیش کیا ہے۔ اس میں دو باتیں ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس کے نزدیک غیر قرآنی انبیاء کا تذکرہ، لاعلمی کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ اور دوسری بات یہ کہ انبیاء کے بیان میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں، جو ایک تاریخی غلطی ہونے کے علاوہ، ایک کتاب کے لئے سخت قابل اعتراض بات ہے۔

اگرچہ یہ دو الگ الگ سوال ہیں لیکن حقیقت میں دونوں کا جواب ایک ہی ہے۔ معترض نے اگر از راہ تعصب یہ اعتراض نہیں کئے ہیں، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے قرآن کے نزول کا اصل مقصد اور انبیاء اور گذشتہ قوموں کے حالات بیان کرنے کی اصلی غرض وغایت، نہیں سمجھی۔ ورنہ ایک سمجھ دار انسان، قرآن پر ہرگز اس قسم کے اعتراض نہ کرتا۔ اہل کتاب خصوصاً یہود، قرآن مجید کو توریت کی طرح ہمیشہ ایک تاریخ کی کتاب سمجھ کر پڑھتے ہیں، اس لئے ہر واقعہ کے تمام جزئیات ڈھونڈھتے ہیں، ہر قصہ کی تفصیل چاہتے ہیں اور بیان میں ترتیب زمانی تلاش کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن ایک صحیفۂ ہدایت ہے، وہ تاریخ بیان کرنے کے لئے نہیں اتارا گیا ہے بلکہ اس لئے نازل ہوا ہے کہ دنیا کیلئے مشعل ہدایت ہو اور تاریکیوں میں لوگوں کی رہنمائی کرے۔ وہ ایک صور ہے۔ جو سوئی ہوئی قوموں کو جگا دینا چاہتا ہے، ایک نور ہے جو راستے سے بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لانا چاہتا ہے، ایک پیام ہے جسکی غرض، دنیا کے عقائد و اعمال کی تصحیح و اصلاح ہے۔ اس مقصد کے لئے، واقعات کی تاریخی ترتیب کچھ زیادہ سودمند نہیں۔ قرآن میں انبیاء کرام اور گذشتہ قوموں کے حالات، تاریخی حیثیت سے نہیں بیان کئے جاتے کہ ان میں ترتیب زمانی اور تفصیل جزئیات کا اہتمام ہو، وہ استدلال یا تذکیر و موعظت کے لئے بیان ہوتے ہیں، اسکے نظم کلام موقع بیان اور مخاطب کے اعتبار سے کبھی اجمال سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی تفصیل سے کبھی بعض انبیاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور بعضوں کا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کبھی کسی کو ایک جگہ مقدم کر دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ موخر، یہ تقدیم و تاخیر اور اجمال و تفصیل، بلا سبب یا تاریخ سے بے خبری کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں بڑی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، اس میں مخاطب، نظم کلام اور موضوع سورۃ کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے، جو غور کرنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جو کلام، مخاطب اور موقعہ و محل کی رعایت سے خالی ہوگا ہرگز مفید نہیں ہو سکتا بلکہ مفید ہونے کے بجائے

مضر ہوگا۔ قرآن کی بلاغت کا ایک راز یہ بھی ہے اور قرآن ہی نہیں بلکہ ہر سمجھدار آدمی اسکو گفتگو میں ملحوظ رکھتا ہے۔ مخاطب کے معلومات، اس کے عقائد، اس کے جذبات اور اس کی فہم وغیرہ کو اگر گفتگو میں ملحوظ نہ رکھا جائے تو کلام بالکل بے اثر ہو کر رہ جائے قرآن، ان میں سے ہر چیز کا شدت سے لحاظ کرتا ہے، مخاطب اَن پڑھ ہیں، اس لئے طریق استدلال پیچیدہ نہیں اختیار کیا جاتا، وہ اگر کوئی پیچیدہ سوال کرتے بھی ہیں، تو ان کی فہم کا اعتبار کرتے ہوئے، بات پھیر کر، ان کو کوئی دوسری مفید بات بتا دی جاتی ہے، وہ جن قوموں کے حالات سے واقف ہیں، ان کی تذکیر کے لئے، انھیں انبیاء کے قصے بیان کئے جاتے ہیں جن کو وہ مقدس اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں۔ انھی کے حالات اور تعلیمات کو بیان کر کے، ان کو ان کی پیروی پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں محض مخاطب کی رعایت سے ہوتی ہیں۔ اسی طرح نظم کلام اور موضوع سورۃ کے لحاظ سے بھی سورۃ میں، انھی انبیاء یا قوموں کو ذکر کیا جاتا ہے جن کا ذکر، استدلال وغیرہ کے لحاظ سے وہاں مناسب ہوتا ہے، اور ان کے حالات و واقعات میں سے صرف اتنے ہی حصہ کو نمایاں کیا جاتا ہے، جتنے کی وہاں ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن میں اسکی مثالیں، کثرت سے ملتی ہیں۔ جب اہل کتاب کے ساتھ گفتگو ہوتی ہے، تو ان کے لئے کبھی حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام کے قصے سنائے جاتے ہیں اور کبھی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے، اسی طرح ان کی تذکیر کے لئے خود انھی کی تاریخ دہرائی جاتی ہے۔ لیکن جب مخاطب مشرکین عرب ہوتے ہیں تو اس وقت، اگرچہ تھوڑی بہت واقفیت کی بنا پر بعض اور انبیاء کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے لیکن زیادہ زور، حضرت ابراہیمؑ کے حالات پر دیا جاتا ہے اور ان کی تذکیر کے لئے، یہود یا نصاریٰ کی تاریخ نہیں دہرائی جاتی بلکہ قوم لوط، قوم عاد و ثمود وغیرہ کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان کے حالات سے باخبر تھے جیسا کہ ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔ و نیز تجارت کے سلسلہ میں، ان کا گذر، اکثر ان قوموں کے تباہ شدہ مقامات پر ہوا کرتا تھا اسی لئے سورۃ صافات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ وَ بِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

اور تم کبھی صبح کو کبھی رات کو ان کی بستیوں پر گذرتے ہو۔ کیا اس کے باوجود بھی نہیں سمجھتے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ	اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کے بعد یکے
بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ	بعد دیگرے انبیاء بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم
الْبَیِّنٰتِ۔ الایۃ	کو کھلی ہوئی نشانیاں دیں۔

اس سورۃ میں روئے سخن، زیادہ تر اہل کتاب کی طرف ہے، اس لئے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ذکر کیا اور بیچ میں تمام انبیاء کو چھوڑ کر اور صدیوں کا زمانہ ایک لمحہ میں طے کر کے، حضرت عیسیٰؑ کے ذکر پر پہونچ گئے۔ اسکی وجہ سوا اس کے اور کیا ہے کہ مخاطب وہ لوگ ہیں جن کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہی کا تذکرہ زیادہ موثر اور مفید ہوگا۔ سورۃ صافات میں کفار عرب کے انذار اور آنحضرت صلعم کی تسلی کے لئے، حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت ہارون حضرت الیاس حضرت لوطؑ حضرت یونس علیہم السّلام کے حالات بیان کئے گئے ہیں لیکن صرف حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ مفصل ہے، باقی تمام انبیاء کا تذکرہ صرف چند آیتوں میں ختم کر دیا گیا ہے، کیونکہ یہاں مخاطب کے اعتبار سے، حضرت ابراہیمؑ ہی کے قصہ کی تفصیل مناسب تھی۔ سورۃ شوریٰ میں مشرکین عرب اور اہل کتاب دونوں کی طرف، روئے سخن ہے جیسا کہ بعد کی آیتوں سے واضح ہوتا ہے اس لئے وہاں حضرت نوح کے بعد صرف حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا نام لیا گیا۔

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا	اس نے تمھارے لئے دین کا وہی رستہ ٹھہرایا ہے جس پر
وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ	چلنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور تمھاری طرف بھی
اِبْرٰہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ	ہم نے اسی رستہ کی وحی کی ہے اور اسی کا ہمنے ابراہیم
(الخ)	اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا کہ دین کو قائم کرو۔

یہاں مشرکین کے لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ کا اور اہل کتاب کی مناسبت سے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السّلام کا ذکر کیا گیا۔ قرآن میں اسکی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔

موضوع سورۃ کی رعایت کا یہ حال ہے کہ سورۃ صافات ہی میں، جیسا کہ عرض کیا گیا، ایک ایک دو دو فقروں میں کفار کی ہلاکت اور مومنین کی نجات کو بیان کر دیا۔ مثلاً حضرت نوحؑ کے متعلق فرمایا۔

وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ وَ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ	اور نوح نے ہم سے فریاد کی پس دیکھو ہم کتنے اچھے فریادرس ہیں، اور ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو بڑی کٹھن مصیبت سے نجات دی۔

اور دو تین آیتوں کے بعد اس قول پر ختم کر دیا۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ	پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

اس لئے کہ موضوع سورۃ اور موقع بیان اسی اجمال کے طالب تھے۔ لیکن سورہ نوح میں صرف حضرت نوحؑ کی دعا کی تفصیل، آیت ۲۰ سے ۸ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور سورۃ ہود میں قوم کی غرقابی اور مومنین کی نجات کی تفصیل تین بڑے بڑے رکوع میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے کہیں بہت زیادہ مفصل، کہیں نہایت مختصر، اور ہر جگہ نئی چیز پیش کی گئی ہے اور موقع کی مناسبت سے جس چیز کو پیش کرنا مقصود ہے، اس چیز کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے، اور دوسرے اجزائے واقعہ اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ انکا ضمنی ہونا، واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن میں آدم علیہ السلام اور شیطان کا قصہ بھی، غالباً ۷ جگہ مذکور ہے لیکن ہر جگہ اسلوب بدلا ہوا ہے۔ جہاں تکبر کا انجام بد دکھلانا ہے، وہاں چیزوں کو چھوڑ کر شیطان کے تکبر ہی کے بیان پر زیادہ زور دیا گیا ہے، جہاں انسان اور شیطان کی ازلی دشمنی بیان کرنی مقصود ہے وہاں زیادہ تر وہ گفتگو نقل کی گئی ہے، جو شیطان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان، اہل دنیا کو گمراہ کرنے کی بابت ہوئی تھی۔ غرضیکہ ہر جگہ، موضوع سورۃ کے اعتبار سے، اسلوب بیان، انداز کلام اور خود واقعہ کی تفصیلات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ یہ موقع تفصیل کا نہیں ہے، انشاء اللہ اس پر ایک علیحدہ مضمون میں بحث کی جائیگی۔

قرآن میں انبیاء کے ذکر کے مختلف طریقے اس تمہید کے بعد معترض کے دونوں اعتراضوں پر غور کیجئے، انکی

حقیقت خود واضح ہو جائیگی، قرآن میں بلاشبہہ بہت سے انبیاء کا تذکرہ نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اس کی وجہ ناواقفیت نہیں ہے۔ قرآن میں بہت سے مقامات ایسے ہیں (۱) جہاں نبیوں کا ذکر ہے لیکن نام کسی کا نہیں لیا گیا ہے۔ مثلاً

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا اَخَذْنَا اَھْلَھَا بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے باشندوں کو مصائب و شدائد میں پکڑا کہ وہ خدا کے سامنے گڑگڑائیں۔

دوسری جگہ ہے:۔

کَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ (الآیۃ)

ایسے ہی ہم نے شریر جنوں اور انسانوں کو نبیوں کا دشمن بنایا۔ ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پھونکتا رہتا ہے۔

اور بہت سے مقامات ایسے ہیں (۲) جہاں مخاطب اور موضوع سورۃ کے اعتبار سے بعض کا تذکرہ کیا گیا ہے اور دوسروں کا نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کی مثالیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ انھیں دونوں قسموں کے ضمن میں وہ دو آیتیں بھی بالترتیب داخل ہیں جنکو معترض، ناواقفیت کی پردہ پوشی کے لئے قرار دیتا ہے۔

(۱) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ

اور ہم نے تم سے پہلے بھی انبیاء مبعوث کئے جنیں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو سنا دیئے ہیں اور بعض کے حالات نہیں سنائے ہیں اور کوئی رسول کوئی نشانی نہیں لا سکتا مگر اللہ کے حکم سے۔

اور (۲)

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

ہم نے وحی کی نوح کی طرف اور اس کے بعد نبیوں کی

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ — انبیار کی طرف اور ہم نے وحی کی ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق

وَاِسْحٰقَ ..... وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ — کیطرف ..... اور ہم نے بہت سے انبیار تم سے پہلے بھیجے

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ — کئے جنمیں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو سنادئے

عَلَيْكَ — اور بعض کے نہیں سنائے ہیں۔

پہلی آیت میں اجمال اور اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے، انبیار کا صرف حوالہ دیدیا نام بنام گنانے یا ان کے واقعات کی تفصیل کی ضرورت نہیں تھی۔ دوسری آیت میں بہت سے انبیار کو ذکر کرنے کے بعد، غیر متعلق انبیار کو چھوڑ کر، صرف ان کے حوالہ پر اکتفا کرلیا۔ یہی قرآن کا عام دستور ہے جسکی مثالیں گذر چکی ہیں اور جسکی واضح ترمثال آیات بالا میں بھی ہے کہ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ سے قبل جتنے انبیار تھے۔ ان کو حذف کرکے "والنبیین من بعدہ" کہکر ان کی طرف اشارہ کردیا۔ تو جس طرح پہلی قسم میں انبیار کے نام نہ لینے سے اور دوسری صورت میں بعض کے تذکرہ کرنے اور بعض کو چھوڑ دینے سے، آپ یہ نہیں سمجھتے کہ پہلی صورت میں تمام انبیار کا اور دوسری صورت میں بقیہ انبیار کا حال لاعلمی کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا، اسی طرح یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جن انبیار کا ذکر اک قلم حذف کردیا گیا ہے، ان کے حذف کی وجہ ناواقفیت نہیں ہے اصل یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے اولین مخاطب تھے وہ زیادہ تر انہی انبیار سے واقف تھے جنکا قرآن نے ذکر کیا۔ اس لئے اگر ان کے سامنے دوسرے انبیار کا ذکر کیا جاتا جن سے یہ بالکل ناآشنا تھے تو نہ صرف یہ کہ مفید نہ ہوتا بلکہ ان کے فتنہ کا باعث ہوتا اور وہ غرض فوت ہوجاتی جو قرآن میں قصوں کے بیان کرنے کی ہے۔ اوپر گذر چکا ہے کہ قرآن میں قصے عموماً تذکیر یا استدلال وغیرہ کے لئے بیان کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر ان کے سامنے کسی ایسے پیغمبر کا نام لیا جاتا جس سے وہ بالکل گوش ناآشنا ہوتے تو ان کے ذہن، اس اصل غرض سے ہٹ کر جس کے لئے قصہ بیان کیا جاتا، اس پیغمبر کی شخصیت اور اس کے حالات دریافت کرنے کے درپے ہوجاتے، اور اس طرح اصلی غرض فوت ہوجاتی اور بے نتیجہ بحث و اعتراض کی گنجائش نکل آتی جس سے قرآن بہت بچتا ہے۔

Scanned by CamScanner

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے زمانہ کے ایک مرد مومن کا تذکرہ کیا ہے۔ اس نے ایک وعظ میں اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا تھا:۔

....وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ (اور اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں
بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ (لیکر آیا لیکن وہ جو کچھ لایا اسکے بارے میں تم ہمیشہ شک ہی میں رہے)

حضرت یوسف مدت دراز تک مصر میں رہ چکے تھے، وہاں کے لوگ ان کی شخصیت سے بخوبی واقف تھے، اگر وہ شخص بجائے یوسف علیہ السلام کے کسی اور کا نام لیتا، جس سے مخاطب ناواقف ہوتے، تو بات بالکل نامانوس ہوتی۔

قصص قرآنی میں تاریخی ترتیب ملحوظ نہیں ہوتی

معترض کا دوسرا اعتراض قرآن کی تاریخی غلطیوں اور قصص انبیاء کی بے ترتیبی سے متعلق ہے۔ تاریخی اغلاط سے متعلق صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ اہل کتاب، اتنا زمانہ گذرنے کے بعد بھی، باوجود سعی بسیار، قرآن کی کوئی تاریخی غلطی نہ پیش کر سکے جن چیزوں کو وہ شک کی نظر سے دیکھتے رہے، بعد کی تحقیقات اور اکتشافات نے ان کی بھی صحت کا ثبوت فراہم کر دیا۔ لیکن تعصب کا کوئی علاج نہیں۔

بے ترتیبی کا اعتراض بھی محض ناواقفیت پر مبنی ہے۔ قرآن میں انبیاء اور قوموں کے جو قصص واحوال مذکور ہیں، ان میں، ترتیب زمانی کا لحاظ مقصود نہیں۔ ان کی ترتیب دوسرے اہم اعتبارات سے ہوتی ہے۔ ان کی تقدیم وتاخیر، موضوع سورۃ اور موقع کلام کے اقتضاء سے ہوتی ہے۔ تاریخی ترتیب کا لحاظ اس میں بہت کم ہے۔ اسی وجہ سے اس تقدیم وتاخیر کا سبب معلوم کرنا، دقت نظر کا کام ہے۔ اس کی حکمتیں تامل کے بعد واضح ہوتی ہیں، قرآن میں بہت سے مقامات ایسے ہیں، جہاں، انبیاء کے تذکرہ میں ترتیب زمانی کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ ظاہر بین نظروں کو یہ بات کھٹکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کی تمام آیتوں پر تفصیل سے بحث کی جائے اور ان کی ترتیب کی حکمتیں واضح کی جائیں۔ تمام آیتوں پر ایک صحبت میں بحث کرنا دشوار ہے۔ اس لئے آج صرف سورۃ الانبیاء پر غور کرنا چاہئے۔ آئندہ انشاء اللہ دوسری آیتیں بحث میں آئیں گی۔

سورۃ الانبیاء میں اسماء انبیاء کرام کی ترتیب

سورۃ الانبیاء میں بہت سے نبیوں کا تذکرہ ہے، ان کے اسماء گرامی

Scanned by CamScanner

ترتیب یہ ہیں۔ موسیٰ، ہارون، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، لوط، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسمٰعیل، ادریس ذوالکفل، ذوالنون، زکریا، یحییٰ علیہم السلام اور اخیر میں حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ ہے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ترتیب زمانی ملحوظ نہیں۔ پھر غور کرنا چاہئے کہ اس ترتیب میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے پوری سورۃ بغور پڑھ جائیے۔ قرآن میں ترتیب کی حکمتیں، نظم کلام سمجھے بغیر واضح نہیں ہو سکتیں۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن میں انبیاء کے قصوں کی غرض، استدلال یا تذکیر یا تسلی ہوتی ہے، ان قصوں کو غور سے پڑھنے اور ماقبل و مابعد کی آیتوں کو ملا کر دیکھنے سے ان کا مقصد خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ سورۂ زیر بحث میں بھی اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تین قسم کے انبیاء مذکور ہیں۔

پہلے وہ ہیں جن کا ذکر یہاں، وحی الٰہی کے ثبوت کے لئے ہوا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون داخل ہیں، آنحضرت صلعم کو حکم دیا جاتا ہے:۔

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ — کہدو میں تم کو صرف وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں۔

اور جو لوگ وحی الٰہی کے منکر ہیں، ان کے اخروی انجام بد کو ضمناً دکھلا کر کہا جاتا ہے:۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ — اور ہم نے دیا موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشنی

وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ .... وَهَٰذَا — اور متقین کے لئے یاددہانی ... اور یہ ذکر مبارک ہے

ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ — جسکو ہم نے تمھاری طرف اتارا ہے کیا تم اسکا انکار کرو گے

اس آخری آیت سے واضح ہو گیا کہ یہاں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر "انما انذرکم بالوحی" کی تاکید کے لئے آیا ہے، کہ تم پر جو وحی الٰہی نازل ہو رہی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل کی گئیں۔

دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کا تذکرہ یہاں ضمناً حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا علیہما السلام کے انعامات کو واضح کرنے کے لئے ہو گیا ہے۔ اس میں حضرت اسحاق اور یعقوب اور حضرت یحییٰ علیہم السلام داخل ہیں، اور حضرت لوط

Scanned by CamScanner

کا پہلی بار تذکرہ بھی ضمناً ہی ہوا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي	اور ہم نے اسکو ابراہیم اور لوط کو اس سرزمین کی
بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ	طرف نجات دی جسکو ہم نے دنیا والوں کے لئے بابرکت
وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً	بنایا اور مزید انعام کے طور پر اس کو اسحاق و یعقوب بخشے

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ان تینوں حضرات کا تذکرہ محض ضمنی ہے۔ اصلی غرض حضرت ابراہیم کی نجات اور ان کے انعامات خاص کا بیان کرنا ہے۔ اسی طرح حضرت زکریا کی دعا کے بعد فرمایا ہے فاستجبنا له و وهبنا له يحيى اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت یحیی کا تذکرہ محض حضرت زکریا کے انعام کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ تیسرے وہ انبیا ہیں جن کے قصے یہاں آنحضور صلعم کی تسلی کے لئے بیان کئے گئے ہیں اس قسم میں بقیہ تمام انبیاء داخل ہیں، لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ مقصد تسلی میں اتحاد کے باوجود، آخری قسم کے انبیاء کی تین قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ اور ہر قسم کے اندر آنحضور صلعم کے لئے ایک جداگانہ دعوت صبر اور پیام تسلی ہے۔ پہلی قسم ان انبیاء کی ہے جن کو تبلیغ مذہب اور اشاعت دین میں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، ان کی قوموں نے انکی تعلیمات کو ٹھکرایا، ان کے ساتھ استہزاء اور تمسخر سے پیش آئیں اور ان کو شکست دینے اور ان پر غالب آنے کے لئے ہر قسم کی تدبیریں کیں لیکن خدا نے ان کی مدد کی، ان کو کامیاب کیا، اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیا۔ اس قسم میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ داخل ہیں۔ چنانچہ ان کے بیان میں ان کی قوموں کی سرکشیوں اور پھر ان کی ہلاکت اور مومنین کی نجات ہی کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں ہے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ	انھوں نے کہا اس کو جلادو اور اپنے معبودوں کی
كُنْتُمْ فَاعِلِينَ. قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا	مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم نے کہا اے آگ
وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ	ٹھنڈک اور سلامتی بنجا ابراہیم پر اور انھوں نے
كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ وَنَجَّيْنَاهُ	اس کے ساتھ تدبیر کرنی چاہی لیکن ہم نے ان کو

Scanned by CamScanner

وَلُوطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بَارَکْنَا فِیْهَا لِلْعَالَمِیْنَ

پہنچا دکھایا اور اسکو اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جسکو ہمنے دنیا والوں کیلئے بابرکت بنایا

حضرت لوطؑ کے بیان میں ہے:۔

وَلُوطًا اٰتَیْنَاهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ کَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبَائِثَ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِیْنَ وَاَدْخَلْنَاهُ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ

اور لوط کو ہم نے قوت فیصلہ اور علم بخشا اور اسکو ہم نے اس قریہ سے نجات دی جسکے بسنے والے برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے بے شک وہ برے اور نافرمان لوگ تھے اور اسکو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ

حضرت نوحؑ کے بیان میں ہے:۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنَاهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیَاتِنَا اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنَاهُمْ اَجْمَعِیْنَ

اور نوح کو جب کہ اس نے ہم کو پکارا اس سے پہلے پس ہم نے اس کی فریاد سنی اور اس کو اور اس کے اہل کو سخت مصیبت سے نجات دی اور ہم نے اسکی مدد کی ایسی قوم کے مقابل میں جس نے ہماری نشانیوں

اس کے بعد دوسری قسم ان نبیوں کی ہے جنکی ابتدا گو کس مپرسی اور بے بسی سے ہوتی ہے لیکن آگے چل کر انکا رتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کو بر وبحر اور جن وانس پر فرمانروا بنا دیتا ہے اور وہ خدا کی نصرت کے جاہ وجلال کا جلوہ بہت کچھ اس دنیا ہی میں دیکھ لیتے ہیں۔ اس میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان داخل ہیں۔ یہاں پر ان کے متعلق جو الفاظ وارد ہوئے ہیں، ان میں قوم کی طرف سے کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا بیان نہیں ہے بلکہ ان کا ذکر یوں ہے:۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وَکُنَّا فَاعِلِیْنَ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ...

اور ہم نے داؤد کیلئے پہاڑوں کو مسخر کیا جو اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور چڑیوں کو اور ہم یہ سب کرنیوالے تھے

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ
اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا....
وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ
عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ

اور ہم نے اس کو تمہارے لئے زرہ سازی کی کاریگری تعلیم کی... اور سلیمان کیلئے ہم نے تند ہوا مسخر کر دی جو اس کے حکم سے اسکی کشتیوں کو اس سرزمین کی طرف لیجاتی تھی جسمیں ہمنے برکتیں رکھی ہیں اور ہمنے اسکے لئے شیاطین مسخر کئے جو اس کے لئے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ اور دوسرے کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کی حفاظت کرتے تھے۔

یہ ان کے جلال و عظمت کی انتہا ہے اسکی ابتدا سموئیل ثانی باب ۷ میں دیکھنی چاہیے، خداوند ناتان نبی سے یوں فرماتا ہے:- "تو میرے بندے داؤد سے ایسا کہہ کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے بھیڑ سالے میں سے، جہاں تو بھیڑیں چراتا تھا، اٹھا کے اپنی قوم اسرائیل کا حاکم کیا اور میں جہاں جہاں تو گیا تیرے ساتھ رہا" الخ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اس بیان سے اسکی حرف حرف تائید ہوتی ہے۔ ایک طرف حضرت سلیمانؑ کے ہیکل اور ان کے تخت عظمت و جلال کو دیکھو اور دوسری طرف حضرت داؤد کے "بھیڑ سالے" کو۔ دونوں میں کتنا بعد ہے، لیکن وہ کارساز جب اپنے کسی بندہ کے لئے ان دونوں کو یکجا جمع کر دینا چاہتا ہے تو وہ یکجا کر دیتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔

تیسری قسم ان انبیاء کی ہے جنھوں نے عام مصائب و مشکلات اور امتحانات میں صبر و توکل کے حیرت انگیز نمونے پیش کئے ہیں۔ ان کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ ایوبؑ، اسمٰعیلؑ، ادریسؑ، ذوالکفلؑ، ذوالنونؑ، زکریاؑ اور اسی میں حضرت مریمؑ بھی داخل ہیں۔

ان انبیاء کے بیان میں، ان کے صبر و استقامت اور انابت و توکل کو واضح کیا گیا اور پھر بتایا گیا ہے کہ کیونکر خدا نے انکی دعاؤں کو سنا اور انکی دستگیری کی۔ ان تینوں قسموں کے انبیاء کے حالات بیان کر کے خدا نے گویا آنحضور صلعم کو صبر و توکل کی دعوت دی کہ تم سے پہلے بہت سے نبی ایسے آئے جنکی قوم نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو سلوک تمہاری قوم تمہارے ساتھ کر رہی ہے۔ لیکن ان لوگوں نے صبر سے کام لیا۔ اس کا نتیجہ

Scanned by CamScanner

یہ ہوا کہ یہ انبیاء غالب اور منصور رہے، اور انکی سرکش قومیں ہمیشہ کے لئے برباد کردی گئیں۔ تمہارے مخالفین کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے اس لئے پریشان نہ ہو۔ اسی طرح آنحضور صلعم کے سامنے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زور و قوت کو دکھلا کر تسلی دی گئی ہے کہ جب خدا وند تعالیٰ "بھیڑ سالے" سے نکالکر، عظمت و جبروت کے تخت عزت و جلال پر متمکن کر دیتا ہے تو تم اپنی موجودہ غربت و تنہائی پر پریشان کیوں ہو؟ اسی طرح اور دوسرے انبیاء کے احوال بیان کر کے یہ واضح کیا گیا کہ تم سے پہلے جتنے انبیاء آئے سب کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، اور ان نبیوں نے ہر مصیبت کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اس لئے تم بھی صبر کرو، خدا تم کو ضرور کامیاب کریگا۔

ان انبیاء کی باہمی ترتیب انبیاء کی ترتیب پر یہ اجمالی نظر تھی اب ان کی باہمد گر ترتیب پر ذرا تفصیل سے غور کیجئے۔

یہاں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہیں کیونکہ اس موقع پر ان کا ذکر، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، بالکل دوسرے تعلق سے آیا ہے۔ ہاں ان کے بعد جن انبیاء کا تذکرہ ہے ان کی ترتیب معلوم ہونی چاہئے لیکن ان میں بھی جیسا کہ واضح ہو چکا ہے حضرت یحییٰ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت لوط علیہم السلام کا پہلی بار تذکرہ بالکل ضمنی ہے اسلئے صرف حسب ذیل انبیاء کی ترتیب کو واضح کرنا باقی رہجاتا ہے

ابراہیم[۱]، لوط[۲]، نوح[۳]، داؤد[۴]، سلیمان[۵]، ایوب[۶]، اسمٰعیل[۷]، ادریس[۸]، ذوالکفل[۹]، ذوالنون[۱۰]، زکریا[۱۱]، یحییٰ[۱۲] مریم[۱۳] (علیہم السلام) یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں نظم کلام اور الفاظ سے ان انبیاء کی تین قسمیں نظر آتی ہیں پہلی قسم میں، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت نوح علیہم السلام داخل ہیں، ان کی ترتیب کے متعلق کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے۔ اگرچہ قرآن میں اکثر جگہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیان مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ وہ زمانا مقدم تھے۔ لیکن یہاں بعض خصوصیات اور مخاطب کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ

Scanned by CamScanner

مقدم کیا گیا۔ اور ہم رشتہ اور ہم زمانہ ہونیکی وجہ سے ان کے ساتھ حضرت لوط کا ذکر کردیا اور پھر ترتیب صعودی کے اعتبار سے حضرت نوح پر اس سلسلہ کو ختم کردیا گیا۔

اس کے بعد دوسری قسم ہے جس میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام داخل ہیں، ان کی ترتیب واضح ہے کہ باپ کو مقدم کیا اور بیٹے کو موخر، لیکن یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کے ذکر کی تقدیم اور حضرت داؤد و سلیمان کے ذکر کی تاخیر میں کیا خاص حکمت مضمر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں آنحضور صلعم سے اس پریشانی اور تکلیف کو دور کرنا ہے جو متمردین قریش کے استہزاء و انکار اور انکی شرارتوں سے لاحق ہوتی تھی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے آپکے خاص اضطراب اور پریشانی کو دور کرنیوالی چیز بیان کیجائے اور اس کے بعد اس چیز کو ذکر کیا جائے جس کا درجہ پریشانیوں کے دور ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس کو مثال میں یوں سمجھئے کہ ایک شخص اگر کسی تکلیف وہ مرض میں مبتلا ہو تو اس کے لیئے وزراء و سلاطین یا فاتحین وغیرہ کا تذکرہ، باعث تشفی نہ ہوگا بلکہ ان لوگوں کا تذکرہ مفید ہوگا جو اس تکلیف دہ مرض میں مبتلا ہو کر اچھے ہوگئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں پہلے انہی لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جن کو قوم کے ہاتھوں سخت تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور پھیر ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جو محض فضل الٰہی سے زبردست قوت و سلطنت کے مالک ہوگئے۔ گویا یہاں آنحضور صلعم کے لیئے دو بشارتیں ہیں۔ ایک موجودہ پریشانیوں سے نجات کی۔ دوسری زبردست اقتدار اور حکومت کی۔

اس کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ کیا، جنکو اپنی زندگی میں، صبر آزما مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر ان کے پائے استقامت میں جنبش نہیں ہوئی، ان لوگوں نے ہمیشہ خدا پر اعتماد کیا، اس لئے خدا نے انکی ہر طرح مدد کی۔ اس موقع پر جن انبیاء کا نام لیا ہے، ان میں ترتیب، زمانہ کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ صفت صبر و توکل کے قوت وضعف کے اعتبار سے ہے۔ صبر و توکل میں جنکا درجہ سب سے بڑا ہے، انھیں سے ابتدا کی گئی۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ صبر کا جو نمونہ حضرت ایوب علیہ السلام کی

Scanned by CamScanner

زندگی میں ملتا ہے وہ کسی اور کی زندگی میں نہیں ملتا۔ حضرت ایوبؑ کے بعد حضرت اسماعیلؑ، حضرت ادریسؑ اور حضرت ذوالکفلؑ کے نام لئے گئے ہیں، اور ان سب کی بابت فرمایا گیا ہے "وَكُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ" اور یہ سب ثابت قدموں میں سے ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کا صبر بالکل واضح ہے کہ انھوں نے رضاء الٰہی کے لئے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی اور خدا کی راہ میں اپنے کو پیش کر دیا۔ اگرچہ یہ صبر کا بہت بڑا نمونہ ہے لیکن حضرت ایوب کی زندگی سرتاپا صبر و استقامت ہی تھی اور دونوں میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ رضائے الٰہی میں مرجانا اتنا کمال نہیں، جتنا کہ مرمر کے جینا کمال ہے۔ حضرت اسمٰعیل کی آزمائش گو سخت تھی لیکن ایک لمحہ کے لئے تھی۔ لیکن حضرت ایوبؑ کو اپنی زندگی کا اکثر حصہ سخت پریشانیوں اور آزمائشوں میں بسر کرنا پڑا اس لئے ان کا ذکر مقدم ہونا چاہئے تھا اور ہوا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد، حضرت ادریسؑ اور حضرت ذوالکفلؑ کے نام ہیں۔ ان کی خاص صفت بھی صبر ہی مذکور ہے "وَكُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ" لیکن ان کے تفصیلی حالات نامعلوم ہیں اس لئے اس اجمال سے زیادہ ہم ان کے صبر پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکتے

اس کے بعد حضرت یونسؑ کا تذکرہ ہے۔ ان کا بیان یوں شروع ہوتا ہے:-

وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا	اور ذوالنون جبکہ وہ غصہ میں نکل کھڑا ہوا
فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ	اور خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہ پائیں گے، پھر
فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا	اس نے تاریکیوں میں ہم کو پکارا کہ نہیں ہے کوئی
إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي	معبود مگر تو۔ تو پاک ہے، میں ہی ظالموں میں سے
كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ	تھا۔ پس ہم نے اس کی سنی اور اسکو غم سے نجات
وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي	دی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات
الْمُؤْمِنِينَ ۝	دیتے ہیں۔

حضرت یونسؑ کا تذکرہ، یہاں حضرت ایوبؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ادریسؑ اور حضرت ذوالکفل سے

موخر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ کا مقام صبر ان لوگوں سے فروتر ہے۔ یہ قبل اجازت خداوندی خفا ہو کر، اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے، اس لئے آنحضور صلعم سے ایک جگہ کہا گیا ہے:۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ — مچھلی والے کی طرح نہ ہو

لیکن اس چھوٹی سی غلطی پر ان کو جو ندامت ہوئی، اور ان کو جو غم لاحق ہوا، اس کا اندازہ ان دعاؤں سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے خدا کے سامنے کی ہیں، نیز وہ اپنی اس تعجیل کی بنا پر سخت آزمائشوں میں ڈالے گئے، اور ایک عرصہ تک ان آزمائشوں کا سلسلہ قایم رہا، یہانتک کہ وہ صبر و استقامت کی جانچ میں پورے اترے، جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبول بخشا اور ان کو غم سے نجات دی (فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ)

اسکے بعد حضرت زکریا کا بیان ہے۔ آپ نے بھی اپنی زندگی میں انابت اور توکل علی اللہ کا بہت بڑا اسوہ پیش کیا لیکن مختلف حیثیتوں سے جنکی تفصیل کا موقع نہیں، مقدم الذکر انبیاء کو ان پر ترجیح ہے اسلئے ان کا ذکر آخر میں کیا۔ ایک بہت بڑی وجہ، مقدم الذکر انبیاء کی تقدیم اور ان کی تاخیر کی یہ ہے کہ یہ لوگ ذہنی مشکلات و مصائب میں مبتلا تھے جن پر صبر کرنا بہت دشوار تھا، بخلاف اس کے حضرت زکریاؑ کسی جسمانی تکلیف یا اذیت کے بجائے ایک ذہنی پریشانی میں مبتلا تھے، یعنی ان کو غم یہ تھا کہ ان کے بھائی بند برے لوگ ہیں اور ان کے بعد کوئی منصب دعوت و اصلاح کا سنبھالنے والا نہیں، اس لئے انھوں نے خدا سے فریاد کی:۔

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي	میں اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں
وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ	اور میری عورت بانجھ ہے اس لئے اپنے پاس سے
لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ	مجھے کوئی کام اٹھانے والا بخش جو میری جگہ اور
آلِ يَعْقُوبَ	آل یعقوب کی جگہ بیٹھے۔

اس سورۃ میں بھی انھوں نے یہی دعا کی ہے:۔

Scanned by CamScanner

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ — اے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو اچھا وارث ہے۔

حضرت زکریاؑ کی یہ پریشانی، اگرچہ ذہنی حیثیت سے تھی اور واقعی سخت تھی لیکن اس پریشانی اور مقدم لذکر انبیاء کی جسمانی تکلیفوں اور سخت آزمائشوں میں بہت فرق ہے اس لئے یہاں انکا ذکر موخر ہے۔

ان انبیاء کے تذکرہ کے بعد، اخیر میں حضرت مریم کا بیان ہے اور انھیں پر اس سلسلہ کو ختم کردیا جاتا ہے۔ ان کا تذکرہ یوں شروع ہوتا ہے:-

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ — اور جس نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا۔ پس ہم نے اس میں اپنی روح ڈالی اور اسکو اور اسکے بیٹے کو دنیا والوں کے لئے نشانی قرار دیا۔

میرے خیال میں یہاں حضرت مریم کا تذکرہ بھی صبر و استقامت ہی کو بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ ان کو باوجود احصان فرج متہم کیا گیا، ان پر طعن کی گئی، ان کو برا بھلا کہا گیا۔ خود قرآن میں ہے کہ لوگوں نے ان سے کہا:-

يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا — اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بدکار آدمی تھا نہ تیری ماں چھنال عورت تھی، پھر تو نے یہ کیا کیا؟

ایک پاکباز اور پاک دامن عورت کے لئے یہ کتنی بڑی صبر آزما چیز ہے لیکن حضرت مریم نے ان سب چیزوں کو خدا کی مرضی کے لئے برداشت کیا اور اگرچہ شروع میں لوگوں کے طعن و تشنیع کے خوف سے کچھ گھبرائیں لیکن مرضی الٰہی معلوم ہونے کے بعد، انھوں نے اس راہ میں بہت زیادہ استقامت دکھائی اس لئے خدا نے بھی انکی برأت کے اظہار کے لئے ان کے نوزائیدہ بچہ کے منہ میں زبان دیدی۔

نیز حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کے قصے میں آنحضور صلعم کے لئے ایک اور رخ سے بھی پیام تسلی ہے

Scanned by CamScanner

اور اس کا اقتضا یہ ہے کہ ان دونوں کو سب سے آخر میں ذکر کیا جائے۔ دیکھا جاتا ہے کہ تسلی کی راہ میں سب سے بڑا حجاب، عالم اسباب ہے۔ جس کو تسلی دی جاتی ہے وہ عموماً اپنے ماحول اور ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے، کسی طرح تسلی دینے والے کی باتوں کو نہیں مانتا۔ آنحضور صلعم اور مومنین کی تسلی کے لیے، تمام انبیا کرام کے قصے بیان کر کے واضح کیا گیا کہ تم موجودہ مشکلات سے ضرور نجات پاؤ گے اور حضرت داؤد علیہ و سلیمان علیہ کی عظمت و جلال کو دکھلا کر بتایا گیا کہ بلند سے بلند رتبہ تک پہنچانا، ہمارے ہاتھ میں ہے لیکن آنحضور صلعم اور مسلمان، اس وقت جن حالات میں تھے اور عسرت و بے بسی کی جو زندگی بسر کر رہے تھے اس کو دیکھتے ہوئے، کیسے باور کیا جا سکتا تھا کہ یہی لوگ جو بظاہر اسوقت روٹیوں کے محتاج ہیں، کسی وقت قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کے مالک بنیں گے اور اپنی زندگی ہی میں سلیمان و داؤد کے جاہ و جلال کا جلوہ دیکھیں گے۔ اس لئے اللہ تعالے نے سب سے آخر میں ان دونوں کے قصے بیان کیے کہ ہماری مشیت و ارادہ کے سامنے اسباب و علل کچھ نہیں۔ کیا اس سے بڑھکر کوئی چیز مستبعد ہو سکتی ہے کہ میاں بیوی بوڑھے اور بانجھ ہونیکے بعد صاحب اولاد ہو جائیں اور زن و شو کے اختلاط کے بغیر بچہ پیدا ہو جائے؟

اگر یہ چیزیں ہماری قدرت اور مشیت کے آگے مستبعد نہیں تو ہمارے وعدوں کے ظہور سے بھی مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اگرچہ ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے بہت زیادہ مستبعد نظر آئیں۔

حضرت زکریا اور مریم کے موخر کرنے کے وجوہ معلوم ہوگئے ان دونوں میں حضرت مریم کو موخر کرنے کے وجوہ بالکل واضح ہیں۔ اس ترتیب کے متعلق بعض اور باتیں قابل گذارش ہیں لیکن اس وقت تفصیل کی گنجائش نہیں۔

مُذاکرہ

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ
کا
ایک تعلیمی خط

مذاکرہ کا باب طلبۂ قرآن کے لئے قایم کیا گیا ہے جن لوگوں کو قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق ہے، اگر وہ کسی قرآنی مشکل میں الاصلاح کی رہنمائی کی ضرورت محسوس کریں، اپنے شبہات لکھکر بھیج سکتے ہیں۔ ان صفحات میں ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کیجائیگی۔ لیکن سوالات طالبعلمانہ ہوں اور مقصود افادہ و استفادہ ہو۔ غیر ضروری سوالات اور فرضی مشکلات، جو مناقشہ و مجادلہ کے قصد سے اختراع کیجاتی ہیں، ابدالائق التفات نہ ہوں گی۔

جن مشکلات میں ادارہ رہنمائی سے قاصر ہوگا، ان میں دوسرے اہل علم سے استعانت ہمارے لئے خوشی کا باعث ہوگی۔ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ان صفحات کے لیے جو کچھ لکھا جائے اس میں وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَن کا قرآنی اصول پیش نظر رہے۔ کتاب الٰہی کے فہم و تدبر میں اشتعال و سخت کلامی کا کوئی محل نہیں ہے۔ یہ راہ بطریق مذاکرہ طالب العلمانہ طے ہونی چاہیے۔

اس باب کا افتتاح ہم استاذ امامؒ کے ایک تعلیمی خط سے کر رہے ہیں جو انھوں نے اپنے ایک تلمیذ جناب مولوی، حاجی، ڈاکٹر محمد علی شاہ صاحب کے بعض سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ موصوف اس وقت حیدرآباد کے صیغۂ امور مذہبی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۳۲ء میں مدرسہ کے کاموں سے نبہ

جناب حاجی رشید الدین صاحب انصاری ناظم مدرسۃ الاصلاح، حیدرآباد تشریف لے گئے تھے۔ یہ عاجز بھی ساتھ تھا۔ وہیں جناب ڈاکٹر صاحب ممدوح کی عنایت سے یہ دولت گرانمایہ ہاتھ لگی۔ ہم اس کے لئے ڈاکٹر صاحب کے دل سے شکر گزار ہیں۔

خط میں مستفسر کے سوالات مذکور نہیں ہیں لیکن جوابات اس قدر صاف ہیں کہ ان شاء اللہ ان کے سمجھنے میں کوئی خاص زحمت پیش نہ آئیگی۔ یہ خط نہایت اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ پہلے سوال کے جواب نے سورۃ بقرہ کی بعض اہم مشکلات حل ہو گئی ہیں۔ دوسرے سوال کے جواب نے سورۃ مائدہ کا پورا نظم کھولدیا ہے۔ تیسرے سوال کے جواب نے سورۃ احزاب کی ایک نہایت اہم مشکل حل کر دی ہے۔ برادرم مولوی اختر احسن صاحب اصلاحی نے تسہیل مراجعت کے لئے تمام متعلقہ آیات کا حوالہ دیدیا ہے۔ مطالعہ کے وقت ان آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیے (اڈیٹر)

مکرمی سلمہٗ!

بعد سلام مسنون آنکہ خط ملا۔ آپکے تین سوال ہیں۔ ان کے جواب بترتیب لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ پارہ اول کی اخیر آیتوں[۵۱] میں یہ ذکر ہے کہ ایک امت گذر گئی اور اپنا کام کر گئی، اور یہ موجودہ یہود و نصاریٰ اگرچہ اس امت میں ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کو اس سے تعلق نہیں۔ وہ مسلم تھے، ملت ابراہیمی پر تھے اور یہ منکر ہیں۔

اب یہاں[۵۲] یہ ذکر فرمایا کہ جس طرح وہ امت، دین الٰہی کی تعلیم دینے والی تھی اور حق کی شاہد تھی ویسے ہی اب تم بنائے گئے ہو۔ ہر امت واسطہ ہوتی ہے، درمیان پیغمبر اور اخلاف کے جسطرح پیغمبر حقائق کی شہادت دیتا ہے۔ ویسے ہی اس کے فیض یافتہ اپنے اتباع کے لئے شاہد ہوتے ہیں۔ شاہد اور شہید یہاں مرادف ہیں اور موقع پر کہا گیا[۵۳] "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ"۔ شہادت کے یہ معنی ہیں کہ زندہ نمونہ یقین اور ایمان ہو۔ اعمال سے عقائد پہ شہادت ہوتی ہے۔ عقائد کی پختگی مشاہدہ کی دلیل ہے۔ کشتۂ راہ خدا کو شہید کیوں کہتے ہیں؟

---

۵۱ بقرہ آیۃ ۱۳۰ تا ۱۴۱۔ ۵۲ بقرہ آیۃ ۱۴۲۔ ۵۳ مائدہ آیۃ ۸

Scanned by CamScanner

اس لئے کہ وہ اپنے یقین پر جان دیتا ہے. مختصراً لکھا گیا ہے اب خود غور کر لینا۔ ہاں! یہ لکھنا ضرور تھا کہ شہادت فرضِ امت ہے اور یہود نے اس فرض کو کھلم کھلا ترک کر دیا تھا پس انتشار امت جدیدہ ضروری ہوگیا

۲۔ سورہ مائدۃ سورہ عقود ہے یعنی پیمانِ الٰہی پر قائم رہنا اس میں ہر ایک کی ذمہ داری بتائی گئی ہے ہر فرد اپنے ذمہ سے مسئول ہوگا۔ دوسرے کے افعال سے یہ ذمہ باطل نہیں ہوتا۔ قال اللہ تعالیٰ:۔ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ[1] شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ"۔ معلوم ہوا کہ اتنا بڑا جرم بھی یعنی "صَدٌّ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" بھی بہانۂ عدوان نہیں ہوسکتا۔ یہ تو آیۃ دوم میں تھا، پھر آیۃ ہفتم[2] بھی اسکی تاکید کرتی ہے نقض عہد الٰہی کے نتائج آیۃ ۱۲-۱۴ تک بتائے۔ پھر کہا اور بھی[3] ان کے فضائح ہیں مگر چشم پوشی کی گئی پھر ان کی جرأت علی نقض العہد کو باطل[4] کیا۔ پھر یہود کے نقض عہد اور دو شخص۔ یوشع اور کالب کے قیام علی العہد کو بیان کیا[5] اس کے بعد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام جب تنگ آگئے تو ان عہد شکنوں سے تبرّی[6] کرلی یہ عظیم الشان تعلیم ہے کہ ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے۔ اسی کے مشابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کو لوگوں نے ناصواب سمجھا، تو کہا کہ میں تن تنہا جاؤں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی غلطی سے رجوع کر لیا۔ اب ہابیل کے قصہ میں بھی نصیحت ہے کہ ہابیل اپنے تقویٰ پر قائم رہے اور کہا:۔ (مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ[7] یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ) ان مثالوں کے بعد منافقین یہود کے ارتداد[8] کا ذکر ہے۔ ارتداد بھی نقض عہد ہے۔ اس سورۃ میں ذکر نقض عہد اہل کتاب برابر چلا جاتا ہے۔ اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ اپنا ذمہ رسالت ادا کیا یا نہیں[9]۔ آخر سورۃ میں آیۃ ۱۱۷ میں شہید کے معنی نگراں کے ہیں شہید کے متعدد معنی ہیں۔ موقع سے پتہ لگتا ہے۔ موقعہ بموقعہ

---

[1] آیۃ ۲۔ [2] یہاں سہو قلم ہوگیا ہے۔ آیۃ ہفتم کے بجائے ہشتم ملاحظہ ہو۔ [3] آیۃ ۱۵۔ [4] آیۃ ۱۸۔ [5] آیۃ ۲۰ تا ۲۴ [6] آیۃ ۲۵۔ [7] آیۃ ۲۸ [8] آیۃ ۴۱۔ [9] آیۃ ۱۱۶۔

Scanned by CamScanner

اس سورہ میں جزئی عقود کا ذکر آیا ہے۔ ان کے ربط پر غور کر لینا۔

۳۔ سورۃ احزاب کی آیۃ[۵۱] کے متعلق مولانا شبلی نے چند ماہ ہوئے سوال فرمایا تھا۔ اور اس لئے چند صفحہ کی تقریر لکھنی پڑی تھی۔ اس میں چند مقدمات ہیں اور بعد اطلاع کے تسلی ہو جاتی ہے۔ مختصراً لکھتا ہوں۔ مفصلاً اس تقریر سے معلوم ہو جائیگا۔ عامۂ مومنین کو طلاق دینا بوقت ضرورت یعنی عدم اقامت حدود اللہ جائز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طلاق حرام تھی۔ کیونکہ ازواج مطہرات ممنوع عن التزوج تھیں۔ پس ان کو خارج از نکاح کرنا غیر ممکن تھا۔ محض امکان طلاق ایک زبردست وسیلۂ قیام علی الحدود تھا۔ کیونکہ قرآن میں افتراق کو بعد ناکام ہو جانے تمام تدبیروں کے جائز کیا ہے۔ بنائے نکاح دوام پر ہے۔ یہ مفہوم احصان میں داخل ہے۔ پس طلاق بغیر تجاوز عن الحدود نامنصور ہے۔ آنحضرت صلعم نے حسب مفہوم آیۃ اوائل سورہ نساء[۵۲] صرف چار بیویاں اپنے لئے باقی رکھیں۔ ان کے علاوہ ازواج کو ترک کر دیا۔ طلاق نہ دی کہ ممنوع تھی۔ ان متروکہ ازواج پر ظلم تھا۔ آیۃ مسئول عنہا نے اس تنگی کو دور کر دیا جیسا کہ فرمایا "ذٰلک ادنیٰ ان تقر اعینھن" "انا احللنا لک ازواجک الّٰتی" ۔ الآیۃ ۔ میں فرضی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ ازواج کا ذکر ہے یعنی "ہم نے تجھ پر یہ بیویاں حلال کر دی تھیں۔ اب تو انھیں کیوں حرام کرتا ہے"۔ باقی یہ انصاف پسندی کہ کیوں جمیع افراد امت چار سے زائد نہیں رکھ سکتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زائد ازواج حلال ہو کر رہیں تو اس کی تلافی یہ کر دی کہ افراد امت کو یہ آسانی ہے کہ وہ نکاح جدید کر سکتے ہیں پس اگر انھیں حدود الٰہی کی پاسداری کے لئے اگر اور نکاح کرنا ہو یا طلاق دینی پڑے تو کوئی تنگی نہیں اور تجھ پر ایک زائد تنگی ہے۔ اس پر اشارہ ہے "قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ" ۔ الآیۃ ۔ رہی وہ بات کہ خوف طلاق وافتراق وسیلۂ قیام علی الحدود تھا تو اس کا علاج یہ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تنبیہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ جس کو چاہیں بلائیں اور جس کو چاہیں دور رکھیں۔ واضح رہے کہ اس حکم کا مقصد محض تنبیہ تھا یعنی

---

۵۱ آیۃ ۵۱۔ ۵۲ آیۃ ۳۔

ازواج محترمات کو یہ علم ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ہے۔ ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے آخر عمر تک اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ روایتیں بعض مخالف بھی ہیں اور اکثر موید ہیں۔ یہ سوال کہ آپ کو ایسا مطلق اختیار کیوں دیا معلوم ہے کہ آپکے متعلق تیقن ہو چکا تھا کہ بیویوں سے خود دبکر رہتے تھے۔ یہ خوف کسی کو نہ تھا کہ خلاف عدل کریں گے۔ مختصراً لکھا ہے خود غور کر لینا

والسلام

حمید الدین

۲۵ راگست ۱۹۱۳ء

تقرب الی اللہ

یہ تو معلوم ہے کہ اللہ تعالی، بندوں سے بہت قریب ہے۔ لیکن اس سوال پر غور کرنا باقی ہے کہ اس تک پہونچنے کا راستہ کیا ہے؟ اس تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ قلب شہوات و رغبات کی تمام آلائشوں سے پاک اور اسکے خوف و محبت سے لبریز ہو۔ ڈر ہو تو اسکی ناراضگی کا، خواہش ہو تو اسکی رضا کی، یہاں تک کہ دل میں حرص و ہوس کی سمائی باقی نہ رہ جائے۔ اسکی یاد ہر دم، رفیق و دم ساز ہو۔ اس کے حاضر و ناظر ہونیکا یقین ہر منزل میں رہنما ہو۔ یعنی خدا تک پہنچنے کا راز کامل عزم اور کامل تبدیلی میں مضمر ہے۔ ایسی تبدیلی جیسے بیماری کے بعد صحت، جہل کے بعد علم اور رنج کے بعد خوشی۔

قلب جتنا ہی پاک ہوگا، اتنا ہی خدا سے قریب ہوگا۔ پاکی یہ ہے کہ شیطان کو ذلیل کر کے اپنے پاس سے ہٹا دو۔ اسکی تذلیل کا طریقہ یہ ہے کہ اسکی بات پر کان نہ دھرو۔ جب تمھارا دل شہوات سے پاک ہو جائے تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے شیطان کو ذبح کر ڈالا اور شہوات کے فنا ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارا ارادہ، بندگی کے تابع ہو جائے۔ اور اسمیں خوشی اور طمانیت محسوس کرے۔ اس آیۃ پر غور کرو۔ "کَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ"۔ پنج وقتہ نمازیں اسی مقصد کے حصول کیلئے ہیں لیکن انکی اصلی روح دوام ذکر ہے، جسکا لحاظ ضروری ہے۔

"فراہی"

۵؎۔ آیتہ ۵۰ تا ۵۲۔

Scanned by CamScanner

موعظۂ حسنہ

نماز

۲

(از امین احسن اصلاحی)

نماز حقیقی زندگی ہے یہی نماز حقیقی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ استاذ امام رح سورۂ کوثر کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"نماز سانس کی طرح زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ حقیقی زندگی جو نور، سکینہ اور ایمان کے الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے، صرف اللہ کی یاد ہی سے باقی رہ سکتی ہے۔ غور کرو تو عقلاً یہ بات بالکل واضح ہے۔ بندوں کو عقل و تمیز کی صلاحیت بخش دینے کے بعد خدا کی نظر رأفت، اس وقت تک ان کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنی توجہ و انابت سے اس کو دعوت نہ دیں۔ اس کا دستور یہ ہے کہ جب بندہ شکر کرتا ہے اور پائی ہوئی نعمتوں کو کام میں لاتا ہے وہ نعمت کو زیادہ کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى — جو ہدایت قبول کرتے ہیں، ان کے نور ہدایت کو بڑھاتا ہے

توجہ الی اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نام کی یاد کی جائے۔ خدا سے تقرب کی راہ یہی ہے۔ اس کی قربت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس کی یاد ہو اور اس سے دوری کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یاد سے غفلت ہو جائے۔ جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے اس سے قریب ہو جاتا ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ — سجدہ کر اور قریب ہو جا۔

اس وقت اللہ کی نظر رحمت اس کو نوازتی ہے۔ اس کا سینہ انوار قدس کا مہبط بن جاتا ہے۔ کیونکہ روح ذکر و فکر کی گہرائیوں میں جس قدر اترتی جاتی ہے، زندگی اور قوت کے لازوال خزانوں سے اسی قدر قریب ہوتی جاتی ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں اسی حقیقت کی خبر دی گئی ہے۔

Scanned by CamScanner

مَایزال العبد یتقرب الی بالنوافل	بندہ نوافل کی راہ سے برابر میری طرف بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک
حتی احبتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ	کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں
الذی بہ یسمع وبصرہ الذی بہ	تو اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بنجاتا
یبصر ویدہ التی بہا یبطش	ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

یہ اسی روحانی زندگی کا بیان ہے جو حقیقی اور واقعی زندگی ہے"

اس حقیقت کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ حقیقی زندگی کا سرچشمہ شریعت ہے۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ	اے ایمان والو اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو جبکہ وہ تم کو ایسی
اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (۲۴- انفال)	چیز کی طرف بلاتے ہیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔

یہی بات حضرت مسیحؑ نے فرمائی ہے کہ "بندہ صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے" قرآن مجید میں ایک سے زیادہ آیات میں وحی کو رزق کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہی رزق حقیقی زندگی اور حقیقی قوت کا سرچشمہ ہے۔ جو لوگ اس رزق سے آسودہ ہیں وہ مر کے بھی زندہ رہتے ہیں (لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ) اور جو اس فیض سے محروم ہیں ان پر زندگی میں بھی موت طاری ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ان کے لئے اموات (مردہ) فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (مریض القلب) شَرَّ الدَّوَابِّ (بدترین جانور) خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ (لکڑی کے کندے) وغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہے اور ایسے دس آدمیوں کی قوت کو شکست دینے کے لئے ایک مرد مومن کی قوت کو کافی قرار دیتا ہے۔

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا	اگر تم میں سے بیس ثابت قدم ہوں گے تو ان کے دو سو پر
مِائَتَیْنِ (۶۵ انفال)	غالب ہوں گے۔

اور ہمارے فلسفۂ قلت وکثرت سے بالکل الگ ہو کر اس کی وجہ یہ بتاتا ہے۔

بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ۔	یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

Scanned by CamScanner

جن کے دل فقہ سے محروم ہیں، قرآن ان کو انعام سے بھی بدتر قرار دیتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ○

ان کے دل ہیں ان سے سوچتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ واقعی بے خبر ہیں۔

یعنی چونکہ وہ فقہ و فہم کی روشنی سے محروم ہیں اس لئے ان کے دماغ اور کانوں اور آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ وہ اسی عالم آب و گل کی رغبات و شہوات کی تنگنائے میں گرفتار ہیں۔ وہ زمین کے کیڑوں کی طرح ہمیشہ ذلت کی خاک چاٹتے اور کتوں کی طرح دنیا کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں وَذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ۔ ان کے علم کی رسائی بس یہیں تک ہے۔ اس سے ماوراء عالم کا وہ تصور نہیں کر سکتے۔ اس سے آگے کا عالم اور در حقیقت وہی عالم ہے، آیات اللہ کی بخشی ہوئی روشنی سے نظر آتا ہے۔ جو اس روشنی کو قبول کر لیتے ہیں وہ رفعت و بلندی کے اعلیٰ ترین مدارج طے کر لیتے ہیں، لیکن جو ان کو نہیں قبول کرتے ان کو شیطان اس زمین کی وادیوں میں بھٹکاتا اور ٹھوکریں کھلاتا رہتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (اعراف ۱۷۵)

ان کو اس کا قصہ سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں لیکن وہ ان سے نکل بھاگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور وہ گمراہوں میں ہو گیا اگر ہم چاہتے (یعنی اس میں صلاحیت و طلب پاتے) ان آیات کے ذریعہ اس کو بلند کرتے (یعنی اس میں فقہ و بصیرت کی روشنی پیدا کرتے کہ اس کی نظر بلند ہو) لیکن وہ زمین ہی کی طرف جھکا رہا اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں لگا رہا، بس اس کی مثال کتے کی ہے اگر تم اس پر حملہ کرو وہ زبان نکال دیگا اور اگر چھوڑ دو جب بھی زبان نکالے رہے گا۔ یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔

Scanned by CamScanner

اس تفصیل کو مختصر لفظوں میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اصلی زندگی دل کی زندگی ہے اور دل کی زندگی صحیح فقہ وفہم سے ہے اور صحیح فقہ وفہم کا سرچشمہ آیات الٰہیہ ہیں۔

اب نماز پر غور کرو، نماز کا اصلی مقصد آیات الٰہیہ پر تدبر و تفکر ہے جو صحیح فقہ وفہم یا حقیقی زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ تمام عبادات میں نماز اس مقصد کے لئے مخصوص ہے۔ ابتدائے بعثت میں، جب آنحضرت صلعم کو ایک بارگراں کے تحمل کے لئے طیار کیا جارہا تھا، اس حقیقی زندگی سے معمور کرنے کے لئے آپ کو نماز کا حکم دیا گیا اور اس کے خاص آداب و قواعد تعلیم ہوئے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اصلی مقصد آیات الٰہیہ پر تدبر ہے تاکہ قلب فقہ وفہم کے انوار سے معمور ہو جائے۔

قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيلًاۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ	رات کے وقت نماز میں کھڑے رہا کرو، مگر کچھ حصہ، آدھی رات یا اس
قَلِيلًاۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيلًاؕ	میں سے کچھ کم کردو، یا اس سے کچھ زیادہ اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر
اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا۝ اِنَّ نَاشِئَةَ	پڑھو، کیونکہ ہم تم پر ایک بھاری بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات کے اٹھنے
الَّيْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيلًا۝ (۱-۶ مزمل)	میں قدم خوب جمتے ہیں اور بات ٹھیک نکلتی ہے۔

اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ یہ تہجد کی نماز ہے جس میں قیام و قرأت کو طویل ہونا چاہئے۔

۲۔ قرآن میں سے جو کچھ پڑھا جائے، لفظ لفظ کو ٹھیر ٹھیر کر خوب سمجھ کر پڑھا جائے۔

۳۔ یہ نماز حقیقی زندگی اور قوت سے معمور کر کے مہمات دعوت و نبوت کے لائق بناتی ہے۔

۴۔ اس کا وقت پچھلے پہر کی سکون پرور تنہائی میں ہے، کیونکہ تدبر و تفکر جو اصل مقصود ہے، اس کے لئے سب سے زیادہ سازگار ساعت وہی ہے۔

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر می داند
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

اس موقع پر وہ مشہور حدیث قدسی جو پچھلے پہر کے انوار و برکات سے متعلق ہے، ذہن میں رہنی چاہئے۔

نیز حدیث بخاری جو اوپر گذر چکی ہے اور وہ تمام تفصیلات بھی جو آنحضرت صلعم کی شب کی نمازوں کے متعلق، احادیث صحیحہ میں وارد ہیں اور اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر ہیں، قصداً اختصاراً تفصیل سے مانع ہے۔

انہی وجوہ سے قرآن مجید میں نماز کو صاف صاف "حیات" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	بے شک، میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

اس آیت میں، تقابل کے اصول پر "محیای" "صلوۃ" کی اور "ممات" "نسک" کی تفسیر ہے۔ اور تفصیل اس کی طولانی ہے

نماز مشکل کشا ہے نماز کی مذکورہ بالا حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ نماز تمام پریشانیوں سے نجات دینے والی اور تمام مشکلوں کو دور کرنے والی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلعم اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ صَلّٰى	آنحضرت صلعم کو جب کوئی مشکل پیش آتی آپ نماز پڑھتے۔

بعینہ یہی بات قرآن مجید میں ہے۔ مکہ کی پرمصائب زندگی میں، جب معاندین کی دل آزاریوں اور اشرار کی شرارتوں سے، آنحضرتؐ ملول و آزردہ ہوتے، آپ کو صبر و استقامت کی تلقین کی جاتی اور صبر و استقامت کے حصول کے لئے نماز کا حکم دیا جاتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ (۳۹-۴۰ ق)	ان کی باتوں پر صبر کرو، اور اپنے رب کی تسبیح کرو (نماز پڑھو) آفتاب کے نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات میں اس کی تسبیح کرو اور نمازوں کے ڈھلنے کے بعد۔
وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (۴۸ طور)	اور اپنے رب کے حکم کے لئے ثابت قدم رہو، تم ہماری آنکھوں میں ہو اور اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو جس وقت اٹھتے ہو۔

مکی سورتوں میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔

اب غور کرو، نماز میں ایسی کیا چیز ہے جس کے نتائج و ثمرات یہ ہیں؟ لیکن اس سوال پر غور کرنے سے پہلے خود پریشانی

Scanned by CamScanner

اور رنج و غم کی حقیقت پر بھی غور کرنا پڑے گا۔

رنج و غم اور مصائب و مشکلات، سب خیالی چیزیں ہیں جو صحیح علم کے فقدان یا ذہول سے پیدا ہوتی ہیں۔ مشہور حکیم مارکس اریلیس کے خیالات اس باب میں قابل مطالعہ ہیں۔

قلبِ انسانی کے جزر و مد کا عجیب عالم ہے۔ کبھی تو پہاڑوں اور سمندروں کو خاطر میں نہیں لاتا اور کبھی پرِ کاہ سے بھی لرزتا اور کانپتا ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

وہ بھی انسان ہی تھے جن کی بابت کہا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ الآیۃ (توبہ)

اللہ نے مومنین سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لئے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔

اور وہ بھی یقیناً انسان ہی تھے جن کی حالت یہ بیان کی گئی ہے

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ (المنافقون)

ان کو ہر آفت اپنے ہی سر پر نظر آتی ہے وہی اصلی دشمن ہیں، پس ان سے ہوشیار رہو۔

انسانوں کی ایک ہی جنس ہیں، یہ فرق و اختلاف محض علم صحیح کے عدم و وجود نے پیدا کر دیا ہے۔ جو حقیقی علم کی روشنی سے فیضیاب ہیں وہ کبھی رائی کو پہاڑ نہیں سمجھتے۔ وہ نفسِ مطمئنہ کی کائنات کے فرمانروا اور اقلیم طمانیت و مملکت ثبات و عزم کے تاجدار ہوتے ہیں اور یہ مقام ان کو نماز کی برکت سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ، جیسا کہ اوپر پڑھ چکے ہو، علم صحیح کا سرچشمہ نماز ہے

ایک اور پہلو سے غور کرو، رنج و غم اللہ سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اگر اس کی معیت حاصل ہو، کوئی پریشانی پاس نہیں بھٹک سکتی۔ آنحضرت صلعم نے اسی عالم میں فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

خدا کے قرب ہی کی وجہ سے اہل جنت کا حال یہ ہوگا کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ نہ ان کو خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اور دنیا میں خدا سے قربت کا ذریعہ صرف نماز ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ سجدہ کر اور قریب ہو جا۔

سورہ بقرہ میں ہے، اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو اور سورہ اعراف میں ہے اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اللہ سے مدد چاہو اور ثابت قدم رہو۔ ان دونوں آیتوں پر غور کرو، پہلی آیت میں صلوٰۃ کا لفظ ہے اور دوسری آیت میں بالکل اسی جگہ پر "اللہ"، کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز خدا سے اس درجہ قریب ہے کہ وہ دنیا میں گویا ہمارے لئے خدا کی قائم مقام ہے۔ جب ہم ہر طرف سے منقطع ہو کر نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں گویا اس کی پناہ میں چلے جاتے ہیں جس کا نام سلام (سکھ) ہے۔ سورہ مزمل کی اس آیت پر غور کرو محبت و رافت کا کیسا جانفزا پیام ہے!۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا اپنے رب کے نام کو یاد کرو اور تمام عالم سے کٹ کر اپنے رب کے پاس پناہ گیر ہو جا۔

اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ بندہ نماز میں اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ فان العبد یناجی ربہ اور اسی مقام کی کیفیات ہیں جو ارحنا یا بلال اور فی الصلوٰۃ قرۃ عینی وغیرہ کے الفاظ سے بیان ہوئی ہیں۔

ایک دوسرے پہلو سے غور کرو، نماز، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، ذکر ہے۔ اور ذکر اطمینان قلب کا سرچشمہ ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

اطمینان کا مفہوم یہ ہے کہ ذکر و فکر اور علم صحیح کی حکمت سے قلب کے نور کا یہ حال ہو جائے کہ رنج و راحت کے تمام انقلابات میں اس کی لو یکساں رہے۔ یہی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ، کی معراج ہے۔ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً اور یہ مقام صرف نمازیوں کے لئے مخصوص ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا انسان چھوٹے دل کا ہے، جب اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے،

Scanned by CamScanner

وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (المعارج)

گھبرانے لگتا ہے اور جب نعمت مل جاتی ہے بخیل بن جاتا ہے مگر وہ جو نمازی ہیں اور اپنی نمازوں کو کبھی ناغہ نہیں کرتے۔

نماز فطرت کائنات ہے تمام کائنات خدا کے حکم سے وجود میں آئی ہے اور اس کی مشیت و حکمت نے جو نقشۂ عمل اس کے لئے ٹھیرا دیا ہے اسی پر چل رہی ہے۔ کوئی ذرہ اس نقشہ سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا۔ زمین و آسمان سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ سورج اور چاند اس کے بنائے ہوئے مستقر اور اس کی ٹھیرائی ہوئی منزلوں میں دوڑ رہے ہیں۔ ہوا اور پانی اس کے حکموں کے آگے سرفگندہ ہیں۔ چرند و پرند اس کی حمد و تسبیح میں زمزمہ سنج ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (۴۴ بنی اسرائیل)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں اس کی تسبیح میں سرگرم ہیں۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۴۸ نحل)

کیا نہیں دیکھتے وہ ان چیزوں کو جو اللہ نے بنائی ہیں۔ ان کے سائے دائیں اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی میں ہیں اور زمین میں جو جانور اور آسمانوں میں جو چیزیں ہیں وہ اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں اور فرشتے بھی۔ وہ تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے اوپر والے رب کا ڈر کرتے ہیں اور ان کو جو حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

تمام کائنات کی یہ ہم آہنگی و یکجہتی انسانی فطرت کو دعوت دیتی ہے کہ جب سب اس کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں تو وہ بھی اس کی بندگی کے لئے کمربستہ ہو۔ جب زمین کے جانوروں، جنگل کے درختوں، فضا کی چڑیوں، سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے تاروں میں سے کوئی اس سے باغی نہیں تو ایسا کیوں ہو کہ انسان، جو اشرف المخلوقات ہے، اس سے بغاوت کرے؟ تمام کائنات کی فطرت میں توافق ہے یہ پورا ساز نغمہ ریز ہے، پھر انسانی فطرت کا ساز کیوں خاموش

Scanned by CamScanner

رہے!۔ اس بزم میں وہ اپنا نغمہ کیوں نہ چھیڑے کہ تمام کائنات حمد و تسبیح کے ترانوں سے گونج اُٹھے!۔

جو فطرت صالح ہے اس دعوت کو یہ کہکر قبول کر لیتی ہے۔

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي — میں اس رب کی بندگی کیوں نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا۔

لیکن جو فاسد ہو چکی ہے وہ اس سے انکار کرتی ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ — پس تو اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور اعراض کیا۔

قرآن مجید نے یہ پوری داستان صرف ایک آیت میں بیان کردی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ الآیۃ (حج) — نہیں دیکھتے کہ اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی، لیکن بہتیرے ایسے بھی ہیں جو اس سے منحرف ہیں اور ان کے لئے اللہ کا وعدۂ عذاب حق ہو چکا ہے

چونکہ نماز تمام کائنات کی فطرت اور اسلام دین فطرت ہے اس لئے اسلام کا ستون نماز ہے۔ پس جو شخص نماز کو ڈھا دے گا، وہ پورے دین کو ڈھا دے گا اور جو اس کو استوار کرے گا وہ پورے دین کو استوار و محکم کرے گا۔ اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ الخ کہکر یہی حقیقت آشکارا کی گئی ہے (باقی)

قرآن میں تکرار نہیں

قرآن میں کوئی بات مکرر نہیں ہے، کیونکہ مکرر اس بات کو کہتے ہیں، جس کا دوبارہ ذکر، کسی مزید فائدہ کا باعث نہ ہوا ہو۔ قرآن میں جتنی باتیں بظاہر مکرر معلوم ہوتی ہیں، اگر ان کے آگے پیچھے غور سے دیکھا جائے تو اس میں بہت سی نئی باتیں ملینگی۔ غزالی رحمہ

ادبیات

علامہ فراہیؒ کی ایک غیر مطبوعہ غزل

اس غزل کا شانِ نزول خود مولاناؒ کے الفاظ میں یہ ہے :۔ ”شبے منکرے اصرار داشت کہ حافظ مست بادۂ انگور بود ہر چند شواہد از کلام حافظ پیش کردم ہماں بر سر انکار بود۔ سحر ایں غزل گفتہ آمد“ (اڈیٹر)

”کلیدِ حافظ“

گوہرِ مقصدِ عشاق زکانے دگر است
قبلۂ حاجتِ مستان زجہانے دگر است

”در رہِ منزلِ جاناں کہ خطرہاست بجاں“
رسم و راہے دگر و نام و نشانے دگر است

مدعی گر نہ کند فہمِ سخن معذور است
زانکہ افسانۂ رنداں بزبانے دگر است

نامہ در خونِ دلِ آغشتہ نسازم چکنم
شرحِ ایں واقعہ را کلک و بنانے دگر است

فاش ترانچہ بگوئیم ہماں پنہان است
زانکہ در زیرِ نہاں نیز نہانے دگر است

ساغرِ دل بسوئے بادہ فروشاں ہبرند
کہ مئے جامِ جہاں بیں زدکانے دگر است

ما نگار غمزہ و ابروئے خوباں نشویم
ہر صیدِ دل ما تیر و کمانے دگر است

انچہ آشفتہ و بے نام و نشانم کردہ است
خمِ زلفِ دگر و موئے میانے دگر است

ہر دم از جلوۂ نو تازہ کنم ایمانے
کور بیچارہ کہ ہر دم بگمانے دگر است

چشم بر شوکتِ شاہی نکشایم ہرگز
کہ نگاہم بسوئے شوکت و شانے دگر است

ہر کہ ہشیار بود سود و زیاں اندیشد
ما کہ مستیم بما سود و زیانے دگر است

چوں تہی از خود و از دوست لبالب شدہ ام
ہمچو نے ہر چہ سرایم ز دہانے دگر است

ناوکِ سخت مگر خورد فراہی دیشب
کیں سحر زمزمۂ او بفغانے دگر است

تلخیصات

ڈاکٹر کارل کی بہشت

آجکل ایک عجیب وغریب کتاب نے یورپ اور امریکہ کے تمام علمی حلقوں میں ہلچل ڈال دی ہے۔ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر کارل ہیں جو مشہور علمائے عصر میں سے ہیں اور اپنی نادر تحقیقات علمیہ کے صلہ میں نوبل پرائز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے یورپ کی موجودہ تہذیب کے متعلق پیشینگوئی کی ہے کہ یہ فنا ہو رہی ہے، اس میں زندگی کے آثار بہت کم باقی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر کارل اس حالت سے مایوس نہیں ہیں۔ وہ اس عام خیال سے متفق نہیں ہیں کہ ہر زندگی کے لئے موت ضروری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام ذی حیات مخلوقات غیر محدود مدت تک زندہ رہ سکتی ہیں بشرطیکہ ان کے لئے ضروری عوامل حیات فراہم کر دئے جائیں۔

ان کا یہی نظریہ قوموں کی تہذیب وتمدن کے متعلق بھی ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح ہر زندہ کیلئے مرنا ضروری نہیں ہے اسی طرح ہر تہذیب وتمدن کیلئے مٹنا بھی ضروری نہیں ہے، بشرطیکہ اس تہذیب کو ان اسباب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے جو اس کو فنا کر سکتے ہیں۔

انکا استدلال نہایت دلچسپ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اطباء بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔ انکی دواؤں سے زخم بھر جا سکتے ہیں تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ کسی تہذیب کو، جو فنا ہو رہی ہے، بچا لیا جائے اور اسکو از سر نو زندگی اور طاقت سے تازہ دم کر دیا جائے۔ ان کے خیال میں، اگر ایسا ہو جائے تو یہ دنیا بہشت بن جائیگی جسمیں انسان ہمیشہ زندہ رہ سکے گا، اور وہ بہت مسرور ہیں کہ انھوں نے دنیا کو بہشت بنا دینے کا راز معلوم کر لیا ہے۔

ان کے نزدیک کسی تمدن کی تباہی کے اسباب میں سب سے مقدم سبب یہ ہے کہ افراد کی زندگی نہایت محدود ومختصر ہوتی ہے جسمیں وہ کسی طرح ان تمام علوم ومعارف کی تحصیل نہیں کر سکتے جو سماج کی اقتصادی وعمرانی مشکلات کے

Scanned by CamScanner

حل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس مشکل پر قابو پانیکی ترکیب صرف یہ ہے کہ انسان برتر "سپر مین" کو وجود میں لانیکی کوشش کیجائے جو عقلی حیثیت سے موجودہ انسان کے مقابل میں بالکل ما فوق العادۃ ہو۔ ڈاکٹر کارل کے خیال میں انسان برتر کا پیدا کرنا ناممکن نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ وہ اسکی یہ تدبیر بتاتے ہیں۔

ایسے نوجوانوں کی ایک جماعت منتخب کیجائے جو اپنی عقل و سمجھ کے لحاظ سے بہترین ہوں۔ اور ان کیلئے یہ ضروری کر دیا جائے کہ آیندہ صدی کا ایک چوتھائی حصہ وہ صرف علوم کی تحصیل کے لئے مخصوص کر دیں اور جہاں تک امکان میں ہو تمام ضروری علوم حاصل کریں۔ وہ قدیم زمانہ کے راہبوں کی زندگی بسر کریں یعنی دنیا کی تمام لذتوں اور مشاغل سے یکقلم علیحدہ رہکر صرف درس و تحصیل کے شغل میں منہمک رہیں۔ دعوتوں، جلسوں اور کھیل اور تفریح کی تمام قسموں سے احتراز کریں۔ اسطرح زندگی بسر کرنیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عقلی اعتبار سے ما فوق العادۃ مخلوق بنجائیں گے۔ وہ دنیا پر حکومت کرینگے۔ جنگوں کو رد دینگے بیکاری اور مشکلات کا علاج کر سکیں گے۔ اور یہی علماء دنیا کو اس تباہی سے بچنے کا راز بھی بتا سکیں گے جس سے یونان اور روم اور دوسری برباد ہونیوالی قوموں کو دوچار ہونا پڑا۔

ڈاکٹر کارل کے نزدیک موجودہ تمدن کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کیفیت کے مقابل میں کمیت کا اہتمام زیادہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر موجودہ تمدن کو تباہی سے بچانا ہے تو سب سے پہلے اس غلطی کی اصلاح کرنی چاہئے۔ ان کے خیال میں مستقبل کے تمدن کی بنیاد حساب و ریاضی اور کیمیا پر نہ ہوگی بلکہ روحانیات و معنویات پر ہوگی۔ انسان صرف گوشت و پوست کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اصلی چیز اس کے قوائے عقلیہ اور صفات اخلاقیہ ہیں لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ موجودہ نظام تمدن کی تمام تر توجہ صرف مادیات کی طرف ہے۔ روحانیات و اخلاقیات سے اس کو کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

اس زمانہ میں مادی لذتوں کی خواہش اور طلب نے ہماری توجہ کا اسطرح احاطہ کر لیا ہے کہ عقل و روح کے مظاہر سے ہم بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔ ہم صرف جسم اور جسم کے اعضاء و جوارح کو جانتے ہیں اور انھیں کی تحقیق و تفتیش ہماری تمام علمی سرگرمیوں کا محور ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم نے انتہائی ترقی کر لی ہے لیکن روحانیات و معنویات اور اسی کے ساتھ ساتھ اخلاق کا درجہ گرتا جاتا ہے اور روحانیات و معنویات کا گرنا خود انسانیت کا گرنا ہے۔ پس جو لوگ انسانیت کو اس تباہی کے غار سے نکالنا چاہتے ہیں ان کو

Scanned by CamScanner

چاہیئے کہ وہ عقل انسانی کی تربیت کیطرف متوجہ ہوں اور ایک ایسی جماعت وجود میں لائیں جسکا عقلی معیار نہایت بلند ہو۔

ڈاکٹر کارل کہتے ہیں کہ علم نے جسم وجسمانیات کے متعلق ہماری معلومات بہت وسیع کر دی ہیں ہم عضو عضو کے متعلق وہ سب کچھ جاننے لگے ہیں جو جانا جا سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بمقابلہ ہمارے اسلاف کے ہمارے جسم زیادہ تندرست اور مضبوط ہیں۔ ہماری عمر کا اوسط بھی زیادہ ہے۔ لاکھوں بوڑھوں اور بچوں کو ہم نے موت کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے۔ لیکن اس کے مقابل میں معنویات کے عالم میں ہم نے ایک انچ بھی ترقی نہیں کی ہے۔ اسی وجہ سے ہم اپنے باہمی جھگڑوں کو چکانے سے قاصر ہیں۔ ہر قوم دوسری قوم سے برسر پیکار ہے۔ ان کے سامنے صرف ان کے مادی اغراض و منافع ہیں۔ ان کے سوا وہ کسی چیز کی قدر وقیمت سے واقف نہیں ہیں حالانکہ اگر ہم روح کی عظمت سے واقف ہو جائیں تو ہمارے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ زر اور زمین کی تقسیم کے لئے کوئی نزاع ہمارے درمیان باقی نہ رہے۔ بغاوتوں اور جرائم کا بالکل سدباب ہو جائے

ڈاکٹر کارل روحانیت کا لفظ ایک وسیع مفہوم میں بولتے ہیں۔ وہ اس کے ذیل میں، دین، اخلاق اور ان تمام معاملات وتعلقات کو داخل کرتے ہیں جو فرد اور سماج کو باہم دگر جوڑتے ہیں۔ بلاشبہہ یہ معاملات مشکل ہیں اور یہی باعث ہے کہ ہم نے ان کو اب تک چھوڑ رکھا ہے لیکن اب ان سے غفلت کرنا تباہی کو اپنے قریب تر آنے کی دعوت دینا ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ موجودہ نظام معیشت نے لوگوں کے دلوں میں یہ غلط خیال راسخ کر دیا ہے کہ ان کو دین و مذہب کے روحانی معموں کو حل کرنے کی ضرورت نہیں ہے

نظام اجتماع کو بہتر بنانے اور تباہی سے بچانے کے لئے ڈاکٹر کارل کے نزدیک غذا کے مسئلہ پر غور و فکر کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ ان کے خیال میں، ویٹامین اور دوسرے غذائی حقائق کے متعلق اب تک علم نے جو تحقیقات بہم پہونچائی ہیں وہ بالکل ناکافی ہیں۔ اس پر بہت زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ "برتر انسان" کی تخلیق کا انحصار زیادہ تر غذائیات کی تحقیق پر منحصر ہے۔ مافوق العادۃ عقل وذہن کے انسان اسی وقت پیدا ہو سکتے ہیں جب ان کو ایسی غذائیں دی جائیں جو روح اور جسم دونوں کی بالیدگی میں غیر معمولی اثر دکھا سکیں۔

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر کارل کہتے ہیں کہ آج ہر طبقہ اور صنف کے آدمیوں کو ایک ہی قسم کی غذا دیجاتی ہے لیکن اگر موجودہ تمدن

کو تباہی سے بچانا ہے تو ضروری ہے کہ اس فرسودہ طریقہ کو یکقلم بدل دیا جائے۔ یعنی عالم، فلسفی، ریاضی دان، سپاہی

اور ماہر موسیقی میں سے ہر ایک کی غذا علٰحدہ علٰحدہ ہونی چاہئے۔ ہم کو ایسی غذائیں بھی دریافت کرنی چاہئیں جو قوائے عقلی

کی تربیت و اصلاح کے لئے مفید ہوں جب ہم ان کوششوں میں کامیاب ہوجائیں گے۔ تو یقیناً موجودہ تمدن کو زندہ

جاوید کردیں گے اور یہ دنیا بہشت ہوجائیگی۔ "برتر انسان" کی تخلیق میں غذاؤں کو بڑا دخل حاصل ہوگا۔ انہی کے ذریعہ ہم حسب

منشاء لیڈر اور سپہ سالار پیدا کرسکیں گے اور آج جسطرح چند معمولی شہد کی مکھیوں کو ایک خاص طرح کی غذا دے کر ان میں سے

ملکہ نحل کا پیدا کرلینا ممکن ہے اسی طرح چند معمولی عقل و استعداد کے بچوں کو ایک خاص قسم کی غذا کھلا کر اعاظم رجال

کی صف میں کھڑا کیا جاسکے گا۔ "ا-ن"

عالم خواب!

ملٹن بادیل کے ایک دلچسپ مضمون کا ترجمہ الہلال (مصر) نے شائع کیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے:-

تفکر دو قسم کا ہوتا ہے حقیقی اور خیالی۔ اور دنیا میں ایسے بہت کم لوگ ہونگے جو اپنے تئیں خیالی تفکر کے سیلاب میں

بہنے سے بچا سکیں۔

ایک شخص کسی کمپنی کے دفتر میں ایک معمولی کلرک ہوتا ہے۔ اس کے اوقات کا ایک بڑا حصہ اسی خیالی فکر کی

لذتوں میں بسر ہوتا ہے۔ وہ بیٹھا بیٹھا سوچنے لگتا ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے، اب وہ معمولی ملازم نہیں رہا ہے بلکہ کمپنی اور اسکے

تمام پھیلے ہوئے کاروبار کا مالک ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے، کوئی اسکا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا! یہ تم کہوگے یہ بلند حوصلگی ہے۔

اس کے بلند ارادوں نے ان خیالات کو پیدا کیا ہے اور بلند حوصلگی نہایت خوبی کی چیز ہے لیکن اس قسم کے بلند ارادے

بالکل بے نتیجہ بلکہ نہایت مضر ہیں۔ جو شخص اس قسم کی خرابیوں میں گرفتار ہوتا ہے وہ اکثر ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو نہیں کرنے

چاہئیں اور ان تمام لوگوں سے نفرت کرنے لگتا ہے جو کسی طرح اسکی اس خواہش میں حائل ہوسکتے ہیں۔

اس فکر خیالی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے مدعا کو بغیر کسی جدوجہد اور مشقت کے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

Scanned by CamScanner

وہ اپنے سلسلۂ خیال میں سے ان کڑیوں کو بالکل حذف کر دیتا ہے جو ایک مقصد کی طلب اور اسکے حصول کے بیچ میں ہوتی ہیں۔ وہ یہ راہ بغیر ایک قدم چلے گویا طے کر لیتا ہے اور قوت متخیلہ کے پروں سے دفعۃً ان بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے جہاں دوسرے باوجود کوشش اور استحقاق کے پہنچنے سے قاصر ہیں۔

برعکس اس کے جو شخص حقیقی طور پر سوچتا ہے، وہ حقائق و واقعات کا انکار نہیں کرتا بلکہ ان کو تسلیم کرتا ہے اور انکے مقتضیات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اس کے بہترین وسائل پر غور کرتا ہے اور تمام اسکیم مکمل طور پر بنا کر اس پر عمل کرتا ہے۔ وہ اپنے مقصد تک خیال کی راہ سے نہیں، جد و جہد کی راہ سے پہنچنا چاہتا ہے۔ اس لئے نہ تو وہ ایک لمحہ ضائع کرتا اور نہ کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا رکھتا۔ بلکہ اپنی مشغولیت اور فرصت کا ہر لمحہ اسی دھن میں بسر کرتا ہے اس کے پاس اوہام و خیالات میں بھٹکنے کے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا۔

فکر خیالی ایک قسم کا وہم ہے۔ اسکو حقیقت سے بہت کم لگاؤ ہوتا ہے۔ ہمارے دل میں کوئی پنہاں خواہش ہوتی ہے اور عمل کی راہ سے اس تک پہنچنے کی ہمت ہم میں نہیں ہوتی تو ہم اس کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ ہم بیٹھے بیٹھے تصور کر لیتے ہیں کہ وہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ قوت متخیلہ کی مدد سے ہم ایک پورا ڈرامہ خود بخود تصنیف کرتے ہیں اور خود بخود اسکے ہیرو بنجاتے ہیں۔ اپنی خواہش اور پسند کے مطابق عالم خیال میں ایک بڑے سے بڑے دولت مند کی حیثیت حاصل کر کے دولت و ثروت اور عزت و جاہ کے تمام لوازم اپنے پاس جمع کر لیتے ہیں اور خوب سیر ہو کر ان سے متمتع ہوتے ہیں۔

ایک غریب عورت، اسی عالم خیال میں، فرض کر لیتی ہے کہ ایک مشہور دولت مند اس پر فریفتہ ہو گیا ہے اور اس نے اسکو ذلت و گمنامی کی زندگی سے نکال کر دنیا کی دولت مند عورتوں کی صف میں داخل کر دیا ہے۔

بچے اسی عالم میں تمام عالم کو زیر و زبر اور دنیا کے تمام مشاہیر کو اپنے جلال و جبروت کے سامنے سرنگوں کر دیتے ہیں۔

الغرض اس خیالی فکر کی کرامات اور فتوحات بے پایاں ہیں لیکن یہ غور کرنا ابھی باقی ہے کہ یہ انسان کیلئے مفید ہے یا مضر؟ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ نہایت مفید ہے۔ دنیا کے تمام فنی نوادر، تمام ادبی شہکار اور فکر و خیال کی تمام بلند پایہ ایجادات اسی خیالی فکر کے ثمرات و نتائج میں سے ہیں لیکن علمی تحقیق اس خیال کی مخالف ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے انسان جنھوں نے

Scanned by CamScanner

نمایاں کارنامے انجام دئے اور بلند رتبے حاصل کئے وہ اوہام وخیالات کی وادیوں میں سرگشتہ وحیران نہیں پھرتے تھے بلکہ حقایق کی طلب وجستجو میں سرگرم رہتے تھے۔ اسلئے اس خیالی فکر کا مفید ہونا مشتبہ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بالکل بے نتیجہ چیز ہے۔ یہ انسان کو کوشش اور محنت سے مایوس کرکے کاہلی اور بے عملی کی بیماری میں مبتلا کردیتی ہے اور اس مرض میں مبتلا ہوجانیکے بعد آدمی کے نزدیک سب سے زیادہ سستی چیز وہی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ قیمتی ہے یعنی وقت جو زندگی کا لب لباب ہے۔

انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ مفید کاموں میں صرف کرے۔ اوہام خیالات کے فریب میں نہ پڑے۔ بہت سے لوگ اپنے اوقات کا بڑا حصہ انہی خیالی لذتوں میں گنوا دیتے ہیں، حالانکہ اگر یہی وقت وہ کسی علم کے پڑھنے یا کسی زبان کے سیکھنے میں صرف کرتے تو اسکے نتائج نہایت قیمتی ہوتے۔ لیکن اس فکر خیالی کا اثر جادو سے بڑھکر ہے۔ اسمیں شراب کیطرح نشہ اور کیفیت ہے۔ انسان اگر اسکا عادی ہوجائے تو اسکی گرفت سے مشکل سے چھوٹ سکتا ہے۔ پاگل خانوں میں جاکر دیکھو، اکثر پاگلوں کو تم پاؤگے کہ اپنے وقت کا بڑا حصہ اسی قسم کے خیالی عالم میں گذارتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خیالی فکر ایک قسم کی تفریح ہے۔ اسمیں تھوڑی دیر کیلئے جی بہل جاتا ہے اور وقت دلچسپی سے کٹ جاتا ہے لیکن آدمی اس قسم کے بے نتیجہ مشغلہ کو اوقات گذاری اور تفریح کا ذریعہ کیوں بنائے جبکہ تفریح اور اوقات گذاری کے دوسرے مفید مشاغل موجود ہیں۔ ایک عاقل انسان مناظر قدرت کی سیر اور کائنات فطرت کے مشاہدہ اور مطالعہ میں جب دلچسپی اور فائدہ دونوں حاصل کرسکتا ہے تو لغو اوہام میں اپنا سر کیوں کھپائے؟

اصل یہ ہے کہ آدمی شیخ چلّی کے ان منصوبوں کی آڑ میں زندگی کے پریشان کن واقعات وحالات سے پناہ لینا چاہتا ہے لیکن یہ کوشش بے سود ہے۔ شتر مرغ کے متعلق مشہور ہے کہ تعاقب کرنے والے شکاری سے بچنے کے لئے وہ اپنے سر کو زمین میں گاڑ دیتا ہے۔ حالانکہ اس تدبیر سے وہ اپنے کو شکاری سے نہیں چھپا سکتا، اسی طرح جو لوگ زندگی کے حقایق سے ان خیالات کی آڑ میں چھپنا چاہتے ہیں وہ بے نتیجہ کوشش کررہے ہیں۔

اس قسم کی خیالی بلند پروازی کو بلند نظری سمجھنا بھی حماقت ہے۔ اگر انسان بلند نظر ہے تو اس کو چاہئے کہ اوہام وخیالات کی جگہ واقعات وحقائق پر غور کرے کہ ان کی مدد سے اسکے سامنے کامیابی کی راہ کھلے فضول تضیع اوقات سے کیا حاصل؟

اس خیالی فکر کا سب سے زیادہ بدترین پہلو یہ ہے کہ انسان اسی راہ سے شہوانی خیالات میں پڑجاتا ہے جس کی بے پناہ مضرتیں بیان سے باہر ہیں۔

"ا - ن"